کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:19 Issue:5 May 2026

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.ashrafululoomhyd.com

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	حاجیوں کے لئے قرآنی اہم ہدایات	مولانا شیخ عبد القادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	حجاج کرام اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں	مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی	۷
پیش گفتار	عشرۂ ذی الحجہ فضیلت و اہمیت	مدیر	۹
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین	مولانا مفتی محمد رفیع حنیف قاسمی	۱۸
اصلاحی مضامین	گرمائی تعطیلات کو کیسے مفید بنائیں؟	مولانا مفتی محمد عبد الحمید شاکر قاسمی	۲۲
تذکرۂ اسلاف	حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ	ڈاکٹر تابش مہدی	۲۸
افاداتِ اکابر	محبتِ الٰہیہ کے اسباب	حضرت مولانا محمد سلیم دھورات صاحب مدظلہ	۳۷
"	اشرف المجالس: حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہٗ	پیشکش: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی	۴۴
"	ارشاد السالکین: حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہٗ	ترتیب: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی	۴۷
فقہ وفتاویٰ	آپ کے شرعی مسائل	مولانا مفتی محمد ندیم الدین قاسمی	۴۹

اشرف الجرائد کی توسیع و اشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ



درسِ قرآن

حاجیوں کے لیے قرآنی اہم ھدایات

از: مولانا شیخ عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ (البقرہ:۱۹۷)

ترجمہ: حج کے چند متعین مہینے ہیں، چناں چہ جو شخص ان مہینوں میں (احرام باندھ کر) اپنے اوپر حج لازم کرلے تو حج کے دوران نہ وہ کوئی فحش بات کرے، نہ کوئی گناہ نہ کوئی جھگڑا اور تم جو کوئی نیک کام کرو گے اللہ اُسے جان لے گا اور (حج کے سفر میں) زادِراہ ساتھ لے جایا کرو، کیوں کہ بہترین زادِراہ تقویٰ ہے اور اے عقل والو! میرے نافرمانی سے ڈرتے رہو۔

تشریح: حج ارکان اسلام کا ایک اہم رکن اور اعظم عبادت ہے یہ عبادت اپنی ایک منفرد شان رکھتی ہے جس میں صبر، حلم، بردباری، بے نفسی کی عجیب تربیت ہوتی ہے، نفسا نفسی کا عالم احرام میں ملبوس محرموں کی کیفیات آخرت کی یاد تازہ کراتی ہے۔ یہ آیت احکام حج کے متعلق ہے اس میں کچھ ہدایات ہیں:

پہلی ہدایت:- یہ ہے کہ اشہر حج یعنی حج کے مہینے مقرر ہیں (شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ کا پہلا عشرہ) اس کا مطلب یہ ہے کہ عمرہ کے لیے کوئی ماہ، وقت مقرر نہیں ہے البتہ حج کے لیے مہینے، اوقات مخصوص اعمال وافعال کے ساتھ مقرر ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض ائمہ کرام نے قبل شوال حج کا احرام باندھنے کا اعتبار نہیں کیا ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پاس قبل شوال حج کا احرام باندھنے سے فریضۂ حج کی ادائیگی تو ہوجائے گی مگر یہ فعل مکروہ ہوگا۔

دوسری ہدایت:- یہ کہ جو شخص اشہر حج میں احرام باندھ لے اس کے لیے کچھ ممنوعات ہیں (۱) ’’رفث‘‘ یہ ایک ایسا جامع لفظ ہے جس میں عورت سے مباشرت یا اس سلسلے کی کھلی بے حیائی کی گفتگو کرنا شامل ہے، اس لئے حالتِ احرام میں اس قسم کی گفتگو سے بھی احتیاط بے حد لازم ہے۔

(۲) ’’فسوق‘‘ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں عدول حکمی یعنی نافرمانی کو کہتے ہیں، جب بات

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس، گھٹکیسر، حیدرآباد

نافرمانی کی ہے تو اس میں ممنوعاتِ احرام بھی شامل ہو جائیں گے اور عام معصیت بھی اس میں شامل ہو جائے گی کیونکہ ارتکابِ معصیت تو بہر صورت حرام ہوتی ہے چاہے وہ حالت احرام میں ہو یا غیر احرام میں، البتہ وہ چیزیں جو اصل میں معصیت نہیں ہیں مگر احرام کی وجہ سے ناجائز ہو جاتی ہیں، چھ چیزیں ہیں (۱) عورت کے ساتھ مباشرت کرنا اور اس کے تمام متعلقات یہاں تک کہ خلافِ حیاء کھلی گفتگو بھی (۲) خشکی کے جانوروں کا شکار خود کرنا یا اس کی طرف شکاری کی رہنمائی کرنا (۳) بال یا ناخن کٹوانا (٤) خوشبو کا استعمال یہ چار چیزیں تو مرد و عورت دونوں کے لیے حالت احرام میں ناجائز ہیں باقی دو چیزیں مردوں کے ساتھ خاص ہیں یعنی سلے ہوئے کپڑے پہننا، سر اور چہرے کو ڈھانپنا۔ (معارف القرآن)

(۳) ''جدال'' سخت قسم کے جھگڑے کو جدال کہا جاتا ہے ہر قسم کا جھگڑا اس میں شامل ہے، چاہے وہ آپسی نزعات ہوں یا حج کے منصوص احکامات کے حوالے سے ہو جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں وقوف۔۔۔عرفات میں ہوگا یا مزدلفہ میں، یا جیسے کچھ لوگ ذیقعدہ میں حج کرتے تھے اور کچھ ذی الحجہ میں، قرآن نے ''ولا جدال'' کی وضاحت کر کے ان جاہلی اختلافات کی بھی بیخ کنی فرمادی اور عام جھگڑوں پر بھی بندش لگادی۔

آیت میں مذکور ''فلا رفث ولا فسوق ولا جدال'' میں ایک نکتہ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ مذکورہ الفاظ نفی کے الفاظ ہیں کہ یہ سب چیزیں نہی ہیں حالانکہ مقصود ان چیزوں سے نہی اور ممانعت کرنا ہے جس کا مقتضی یہ تھا ''لا ترفثوا ولا تفسقوا ولا تجادلوا'' کہا جاتا مگر یہاں نہی کی جگہ نفی کے الفاظ استعمال کر کے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ ان چیزوں کی افعال حج میں کوئی گنجائش اور تصور نہیں ہے۔

تیسری ہدایت:- یہ ہے کہ جو نیک کام بھی تم کرو گے اللہ اس کو خوب جانتا ہے،، ممنوعاتِ احرام کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ایام حج اور مقامات مقدسہ میں گناہوں سے بچنے پر ہی اکتفا مت کرو بلکہ ایسے مواقع بار بار نہیں آتے اس وقت کو غنیمت جان کر ذکر و اذکار، عبادات، کار خیر میں لگے رہو، انشاء اللہ آخرت میں اجر عظیم کے مستحق بنو گے۔

چوتھی ہدایت:- یہ کہ زادِ راہ کا حتی المقدور انتظام کر کے سفر کا آغاز کریں اسباب و وسائل کے بغیر نکل پڑنا پھر خود مشقت اٹھانا دوسروں کے لیے بھی تکلیف کا سبب بننا یہ توکل کے منافی ہے بلکہ عین جہالت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کسی کو اپنے گھر بلا لینا بذات خود قبولیت کی دلیل ہے کیونکہ گھر اسی کو بلایا جاتا ہے جس سے محبت ہوتی ہے لہٰذا جن خوش نصیبوں کو یہ سعادت میسر ہو رہی ہے ان کو یہ علم ہونا چاہیے کہ اسباب حج صرف روپیہ پیسے کا نام نہیں بلکہ دردِ دل و اعمال صالحہ اور فضل خداوندی سے یہ سفر ممکن ہوتا ہے، اس لیے سفر حج میں اخلاص وللّٰہیت اور کیفیت احسانیہ کے ساتھ وقت گزارنا زندگی میں صالح تبدیلی کا ضامن اور کفارہ سیئات کا ذریعہ ہوگا۔ آمین

حُجاج کرام اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عنه عنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : الْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالحَاجُّ وَالمُعْتَمِرُ وَفْدُ اللّٰهِ، دَعَاهُمْ فَاَجَابُوْهُ، وَسَاَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ (ابن ماجہ:2893)

ترجمہ:۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: راہِ خدا میں جہاد کرنے والا، حج کرنے والا، اور عمرہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے، اللہ تعالیٰ نے بلایا ہے، انہوں نے لبیک کہا اور حاضری دی، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مانگا تو اس نے انہیں عطا کیا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے اپنے بندے جن عبادات کی انجام دہی کے مکلف اور پابند ہیں ان ساری عبادتوں میں عبودیت وبندگی کی شان نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے، نماز میں بندہ رب تعالیٰ کے حضور قیام ورکوع اور سربسجود ہوکر، روزہ میں صبح تا شام طبعی تقاضوں اور شہوات کو ترک کر کے، اور زکوٰۃ میں اپنی محنت و کوشش اور خون پسینہ کی کمائی میں سے ایک مخصوص حصہ غرباء وفقراء پر صرف کر کے گویا ظاہر کرتا ہے کہ جسم وجان اور مال ودولت سب کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، جس کے حکم پر ہر چیز نثار وقربان کرنا ہی حق شناسی وشانِ بندگی کا تقاضہ ہے جس سے سرِ موانحراف اور رُوگردانی بغاوت وسرکشی ہے، ان ساری عبادتوں کے معاملے میں حج کا فریضہ ہر عبادت وبندگی کے اوصاف وکمالات کا جامع ہے، جس میں بندہ جسم وجان، مال ودولت، گھر بار، اعزہ و اقرباء، کاروبار وتجارت، وقت، ظاہری وضع قطع اور بہت سی خواہشات کی قربانی دیتا ہے، اور بخوشی وبمسرت دیتا ہے، اسی وجہ سے حج کی عبادت کو" عاشقانہ عبادت" کہا جاتا ہے، دنیا بھر کے مسلمان (امیر وغریب، حکمران و رعایا، مرد وعورت، عالم وجاہل، صحت مند ومعذور افراد) دیوانہ وار کعبۃ اللہ المشرفہ کا ارادہ کر کے عازمِ سفر ہوتے ہیں، اپنے دیرینہ شوق وذوق اور بے پناہ جذبات واحساسات کے ساتھ فریضہ حج ادا کرنے کے لیے مکۃ المکرمہ

* استاذ حدیث وفقہ ادارہ اشرف العلوم حیدر آباد

پہنچتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے اس مقدس گھر کی زیارت کی نسبت سے حاضری کی وجہ سے گویا وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں، دنیا کا کوئی شریف میزبان بھی اپنے مہمان کی بے توقیری نہیں کرتا، یہ تو رب العالمین کے مہمان ہیں، یہاں سے حجاج وعمّار جن الطاف وعنایاتِ ربانی اور نوازشات وانعاماتِ الٰہی کے ساتھ واپس ہوتے ہیں، اس کا تصور وادراک بھی خارج از عقل ہے۔

تصدق اپنے خدا کے جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھ کو انشاء

اِدھر سے ایسے گناہ پیہم اُدھر سے وہ دم بدم عنایت

زیرِ نظر حدیث شریف میں رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجاج وعمار کی اسی نرالی شان کو نہایت ہی حسین وموثّر تعبیر میں بیان فرمایا، **الحاج والمعتمر وفداللہ**، حاجی اور عمرہ کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے، اللہ نے انہیں بلایا ہے تو انہوں نے حاضری دی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر نو سے فارغ ہوئے تو حق تعالیٰ کے حکم اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ کی تعمیل میں آپ نے ندا لگائی: اے لوگو! تمہارے رب نے اپنا گھر بنایا ہے؛ لہٰذا اس کی حج کے لیے پہنچو، **یا ایھا الناس ان ربکم قد اتخذ بیتا فحجوہ**، ہر حاجی جب لبیک اللھم لبیک کہتے ہوئے حاضرِ حرم شریف ہوتا ہے، تو دراصل وہ اِسی نداءِ ابراہیمی کا جواب ہوتا ہے، جو حق تعالیٰ کی طرف سے لگائی گئی تھی۔

تیسری بات حدیث شریف میں حجاج وعمار کی دعاؤں کی قبولیت سے متعلق ہے؛ کہ جب وہ کوئی سوال ودعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ شانِ قبولیت سے نوازتے ہیں، اور محروم القسمت نہیں لوٹائے گا، ان ساری بشارتوں اور خوشخبریوں کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی بنیادی طور پر پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ قرآن وحدیث اس قسم کے فضائل و برکات کا حصول اسی حاجی اور معتمر کے لیے مقدر ہوگا جو حج وعمرہ کی عبادت کو اس کے پورے آداب واحکام کی روشنی میں بجالائے، جیسا کہ دوسری حدیث میں رفث (فحش گفتگو) اور فِسق (گناہ کے کام) سے اجتناب کی صراحت ہے، جس نے حج کیا اور اُس نے کوئی فحش اور بے ہودہ بات نہیں کی، اور نہ ہی کوئی گناہ کا کام کیا تو اُس کے گذشتہ تمام گناہ معاف کردیے جائیں گے۔ من حج فلم یرفث ولم یفسق غفرلہ ما تقدم من ذنبہ (ترمذی: ۸۱۱) اس لئے ضروری ہے کہ اخلاص واحتساب اور احکام وآداب کا لحاظ رکھا جائے ورنہ محض فریضہ کی ادائیگی سے تو سبکدوش ہوجائے گا؛ لیکن مذکورہ فضائل سے محروم رہے گا۔

حق تعالیٰ حجاج کو اس مقدس عبادت کی توفیق اُس کے تمام آداب واحکام کے ساتھ نصیب فرمائے آمین۔

پیش گفتار

عشرۂ ذی الحجہ، فضیلت واہمیت

از: مدیر

گذشتہ سال ذی الحج کی پہلی مجلسِ جمعہ میں طلبہ وسالکین سے عشرۂ ذی الحجہ کی قدردانی کے سلسلے میں مخدومنا ومحبوبنا حضرت والا مدظلہ العالی نے خصوصی طور پر توجہ دہانی فرمائی تھی، اس لئے یہ ملفوظ بہت طویل ہوگیا، چوں کہ یہ مبارک موقع اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اپنے فضل سے عطا فرمانے والا ہے اس لئے اس ماہ کے پیش گفتار میں اسی کو پیش کیا جارہا ہے۔ ازمرتب غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم امابعد!

قال اللہ تعالیٰ: وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۔ صدق اللہ العظیم

عشرۂ ذی الحجہ کے یہ ایامِ مبارکہ چل رہے ہیں، کوئی بھی شخص کسی بھی مقام یا وقت کی اس وقت تک فضیلت بیان نہیں کرسکتا جب تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی خبر نہ دی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر پر ہی کسی چیز کی فضیلت بیان کی جاسکتی؟ کیوں کہ فضائل کا تعلق مشاہدات سے نہیں، مغیبات سے ہے، اور ایسی باتوں کا علم سوائے نبی کے کسی کو نہیں ہوسکتا۔ اور نبی کو بھی اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہوتا۔ یہ دس دن جنہیں وَلَيَالٍ عَشْرٍ دس راتیں کہہ کر اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے، یہ نہایت مبارک ومحترم دن ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَلَيَالٍ عَشْرٍ سے ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں مراد ہیں، اور یہ 10 راتیں دیکھتے دیکھتے گزر جائیں گی، وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا، اور نہ وقت کسی پر مہربانی کرتا ہے، جس شخص کو فائدہ اٹھانا ہے وہ وقت سے فائدہ اٹھالے، اور جس کو نہیں اٹھانا ہے تو وقت کو اس کی کوئی پرواہ

نہیں، اللہ تعالیٰ نے جس کو جس کام پر لگا دیا ہے وہ برابر لگا ہوا ہے، سورج اور چاند اپنا کام کر رہے ہیں، وَالشَّمۡسُ تَجۡرِيۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ وَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰهُ مَنَازِلَ یعنی سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے اور چاند ہے کہ ہم نے اُس کی منزلیں ناپ تول کر مقرر کر دی ہیں، یہ سب اللہ کا نظام ہے، وہ لوگ نافرمانی نہیں کر رہے ہیں، ہمارے علاوہ کوئی مخلوق نافرمان نہیں ہے، کسی کو نافرمانی کی جرأت نہیں ہے، سورج بھی نہیں کرے گا، چاند بھی نہیں کرے گا، جب سے وہ پیدا ہوئے ہیں تب سے کسی نافرمانی کے بغیر کسی تخلّف کے بغیر کسی تأخر کے بغیر اپنا کام کر رہے ہیں، اور مسلسل کر رہے ہیں، وقت بھی اسی طرح اپنے حساب سے گزر رہا ہے، وہ بھی اپنا کام کر رہا ہے، جس طرح پچھلا زمانہ گذر گیا ہے یہ دس دن بھی نکل جائیں گے، لیکن جس آدمی نے فکر کی، وہ اِن کی برکات کو پا لے گا، اور جو بے فکر رہا وہ کفِ افسوس ملتا رہے گا، پتہ نہیں پھر اگلے سال موقع ملے نہ ملے، اگر ملے تو صحت اور احوال واسباب سلامت رہیں یا نہ رہیں، اس کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے، اس لئے آدمی کو اعمالِ صالحہ اور حصولِ ثواب سے غفلت کبھی نہیں کرنا چاہیے، نہ بچپن میں غفلت برتی جا سکتی ہے، اس لئے کہ بچپن بھی غفلت برتنے کے لیے نہیں، نہ جوانی میں غفلت برتی جا سکتی ہے، وہی شخص غفلت کر سکتا ہے جس کو کسی مضبوط ذریعے سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ اس کا وقت اتنا باقی ہے، اس کی اتنی زندگی بچی ہے، جس کو یہ معلوم ہو گیا ہے وہ غفلت کرے تو کرے، کہ آخر میں سنبھل جاؤں گا؛ لیکن جس کو اس کا پتہ نہیں وہ تخمینہ اور اندازہ کی بنیاد پر تو کچھ بھی طے نہیں کر سکتا، سب کے تخمینے اور اندازے غلط ثابت ہوئے، بہت کچھ سوچا تھا، لیکن موقع نہیں ملا، زندگی نے وفا نہیں کی، جب موت آ گئی تو سنبھلنے کا موقع نہیں ملا، پھر آدمی افسوس کرتے ہوئے اس دنیا سے چلا گیا، تو ایسی حماقت ہمیں نہیں کرنی چاہیے، ہمیں وقت کا فائدہ اٹھانا چاہیے، بہت مبارک ایام ہیں، لایعنی سے بھی بچنا چاہیے، معصیت کا تو تصور بھی نہیں کر سکتے، اس لیے کہ اللہ کا طالب اللہ کی نافرمانی کیسے کرے گا؟ اس لیے معصیت اور گناہ کا تو خیال بھی نہیں آنا چاہیے، اور اگر آئے تو آتا رہے، ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے، اور لایعنی کام یا باتیں بھی نہیں کرنا چاہیے، لایعنی سے بھی آدمی کا نورِ ایمان سلب ہوتا رہتا ہے، اور اس کا دل کمزور ہوتا رہتا ہے، اس کی قوت ایمانیہ میں ضعف پیدا ہوتا ہے۔ لایعنی اس بات کو اور کام کو کہتے ہیں جو نہ دنیا کے کسی کام کا ہو، نہ آخرت میں کسی کام کا، ایسی چیزیں جو اسلام میں مدِ جواز میں ہیں، اس سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور جو چیزیں ہمارے لیے ضرر اور نقصان کا سبب ہیں، وہاں تک تو کسی کو پہنچنا ہی نہیں چاہیے، اس لیے اوقات اگرچہ کسی خاص ماحول (مدرسہ خانقاہ وغیرہ) میں

گزر رہے ہوں یا جن لوگوں کے اپنی مصروفیتوں میں گزر رہے ہیں اِن سب میں بار بار یاد کرتے رہنا چاہیے کہ یہ ایام مبارک ایام ہیں، اور یہ راتیں بڑی فضیلت والی راتیں ہیں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس عشرۂ اول کے دن کا ہر روزہ ایک سال روزوں کے برابر اور اس کی ہر رات شبِ قدر کے مماثل ہے، **یعدل صیام کل یوم منھابصیام سنۃ وقیام کل لیلۃ منھا بقیام لیلۃ القدر** (ترمذی:758) اب ایسی دس راتیں ہمیں ملی ہوئی ہیں، غافلوں نے تو خیر رمضان میں بھی شب قدر کی قدر نہیں کی، لیکن جو دین پسند ہیں انہوں نے تو کچھ نہ کچھ قدر کی ہوگی، عبادت کا، دعاؤں کا، تلاوت کا کچھ تو اہتمام کیا ہوگا؟ تو اِن راتوں کو بھی شبِ قدر کے مماثل قرار دیا گیا ہے، ان راتوں کی بھی ایسی ہی قدردانی کرنی چاہیے، جس قدر ہو سکے نفل عبادتیں بھی کرنی چاہئیں، وقت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے، عورتوں کو بھی کرنی چاہیے، مردوں کو بھی کرنا چاہیے، گھروں میں بھی ان باتوں کا اور ان ایام ولیالی کی فضیلتوں کا مذاکرہ کریں، ذی الحجہ کے عشرۂ اول میں نو دن روزوں کے لئے مخصوص ہیں، دسواں دن عید کا دن ہے، اس میں تو روزہ نہیں رہ سکتے، اس لئے نو دن میں روزے رکھنے کا اہتمام کرنا چاہیئے، عشرۂ اولیٰ کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے برابر شمار ہوتا ہے، اس لیے جن کو نو سال کی عبادت کا اجر پانا ہو وہ ہر دن کا روزہ رکھ لیں، اگر نو بھی رکھ سکیں تو رکھنا چاہیے نہیں تو سات رکھیں، سات نہیں تو پانچ، پانچ نہیں تو تین، اور وہ بھی نہیں تو کم سے کم عرفہ کا روزہ ہر مومن اور ہر مومنہ کو رکھنا چاہیے، محروم نہیں رہنا چاہیے، حضور علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ عرفہ کے روزے کے عوض ایک سال ماقبل اور ایک سال مابعد کے گناہوں کا کفارہ فرمادیں گے، **صیام یوم عرفۃ احتسب علی اللہ ان یکفر السنۃ التی قبلہ والسنۃ التی بعدہ** (مسلم رقم الحدیث:1162) یعنی صغیرہ گناہوں کا، اور اگر صدق دل سے استغفار و توبہ کرتے رہیں تو انشاء اللہ کبائر کا بھی گناہ کا کفارہ صرف یہ نہیں ہے کہ مٹ جائے؛ بلکہ گناہوں کے کفارے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہمارے اعمال نامے کو صاف ستھرا کر دیں گے، باقی انسان صبح و شام جو لغزشیں کرتا رہتا ہے، وہ بے انتہا ہیں، وہ سب ہمارے ایمان کو نقصان پہنچانے والے ہیں، جب اللہ اس کو درگزر کر دیتا ہے تو پھر ایمان نکھر جاتا ہے، پھر ایمان مضبوط ہو جاتا ہے، اس لیے عرفے کا روزہ بڑی نعمت ہے، اس کو نہیں چھوڑنا چاہیے، جیسے نفل نمازوں میں سب سے افضل نفل تہجد کی نماز ہے، اسی طریقے سے نفل روزوں میں سب سے افضل روزہ عرفہ کا روزہ ہے، اس لیے عرفہ کے روزہ کا اہتمام ہر مسلمان کو کرنا چاہیے۔

دن کے روزے کی طرح اس عشرے کی راتوں کی عبادت کو بھی غنیمت سمجھنا چاہیے، موقع ہے، ماحول ہے، جتنی عبادت کرنا چاہیں کرلیں، اس واسطے کہ ایسے مواقع بار بار نہیں آتے، اللہ تعالیٰ چاہتے تو سب راتوں کو یکساں کر سکتے تھے؛ لیکن انہوں نے ہماری غفلت کو دور کرنے اور ہمارے اندر ایک ایمانی قوت وتاثیر پیدا کرنے کے واسطے وقفہ وقفہ سے مبارک گھڑیاں عطا فرمائی ہیں۔ ہفتے میں ایک دن جمعہ کا عطا فرمایا، اور دنوں میں بھی اللہ کی بندگی کرنا ہی ہے، لیکن جمعہ کی عبادت ہمارے اندر تازگیٔ ایمان کا ذریعہ بنتی ہے، ہفتے میں ایک مرتبہ یہ ایک ایسا ڈوز ہے جس سے روح میں قوت وطاقت پیدا ہوتی ہے، بہت سارے امراض ایسے ہیں کہ ویکلی (ہفتہ واری) ایک ڈوز لینا پڑتا ہے، بہت سے مریض ایسے ہیں جنہیں ہفتے میں ایک مرتبہ ڈائلیسس (خون کی صفائی) کرنا ہوتا ہے، کسی کو ہفتے میں ایک مرتبہ کوئی کیپسول کھانا پڑتا ہے، کسی کو انجکشن لینا پڑتا ہے؛ کیوں؟ اس لیے کہ صحت کی برقراری کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح اللہ پاک نے ہفتے میں ایک مرتبہ جمعہ رکھا، دن میں پانچ مرتبہ نمازیں رکھیں اور ہر رات کو کچھ عبادت کرنے کا حکم دیا، اسی طریقے سے رمضان کا پورا ایک مہینہ روزوں کی نعمت کے ساتھ عطا فرمایا۔ یہ ایام حج ہیں، یہ مہینہ ذوالحج یعنی حج والا مہینہ ہے، جن لوگوں کو اللہ نے توفیق دی، وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے، اور بہت سے ابھی تک بھی جا رہے ہیں، آخری قافلے مکہ پہنچ رہے ہیں، ایسے ہی حجاج آٹھ تاریخ کو اپنے اپنے مقامات سے احرام باندھ کر منیٰ چلے جائیں گے، وہاں سے نو تاریخ کو عرفات چلے جائیں گے، عرفات سے غروبِ آفتاب کے بعد نکل کر مزدلفہ آجائیں گے، مزدلفہ سے پھر منیٰ جا کر رمی کریں گے، ان دنوں میں جن دنوں میں ہم لوگ عید کر رہے ہوں گے وہ لوگ رمی جمار میں مصروف ہوں گے، قربانی وہ بھی کرتے ہیں، عید اُن کی بھی ہوتی ہے، سب اعمالِ مناسک انہی دنوں میں ادا کئے جاتے ہیں، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، اور ۱۳ بھی اس کے اندر شامل ہوتی ہے اگر ضرورت پڑ جائے، اسی طرح عید سے ایک دن پہلے ۹ تاریخ کی فجر سے لے کر ۱۳/ تاریخ کی عصر تک مسلمانوں کو تکبیر تشریق میں مشغول رکھا گیا ہے، ان تکبیرات صرف نمازوں ہی کے بعد نہیں بل کہ ہر وقت اہتمام کرنا ہے، نمازوں کے بعد تو واجب ہے، وہ تو لازماً کرنا ہے، یہ واجب مشق کرانے کے واسطے ہے، کہ ان ایام میں بکثرت اللہ کی تکبیر، اللہ کی تحمید، اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل بیان کی جائے؛ چوں کہ حجاج بھی یہی کرتے ہیں، تو حکم دیا گیا کہ دنیا بھر کے مسلمان بھی ان کی مشابہت اختیار کریں۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے

صحابہؓ فرماتے ہیں: کہ حج میں اگر ہم تلبیہ پڑھنا چاہتے تو تلبیہ پڑھتے تھے، تکبیر پڑھنا چاہتے تو تکبیر پڑھتے تھے، کوئی ممانعت نہیں تھی، بس ہر وقت اللہ کا ذکر ہو، جب لوگ وقوفِ عرفات سے فارغ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے فرماتے ہیں: فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ (البقرہ:۲۰۰) اللہ نے فرمایا پہلے تم لوگ گمراہ تھے، اللہ نے ہدایت دی ہے، اس لیے اب اللہ کا ذکر کرو، پہلے لوگ مزدلفہ اور منی میں جگہ جگہ مجمع بناتے تھے، یعنی قبیلے اکٹھے ہوتے تھے، اور ان کے شاعر اپنے آباء واجداد پر فخر کرتے تھے، اللہ نے فرمایا: جیسے جاہلیت میں تم باپ داداؤں پہ فخر کرتے تھے، اب تم مومن ہو، اللہ کا ذکر کرو، اللہ کی بڑائی اور اس کی تکبیر بیان کرو، جاہلیت کے خیالات کو چھوڑ و۔ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ، (سورۂ نساء:۱۰۳) نماز پڑھ چکو تو ذکر کرو؛ حالاں کہ نماز تو سراسر ذکر ہے؛ لیکن فرما رہے ہیں کہ نماز پڑھ چکو تو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، کھڑے، بیٹھے، لیٹے ذکر اللہ میں مشغول رہو، جمعہ کے دن کے بارے میں بھی فرمایا: فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰ (سورۃ الجمعہ) کہ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ، تو ذکر کا حکم دیا گیا ہے، بار بار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان دنوں میں خاص طور سے ذکر کرنے کا حکم ہے، اس لیے ان دنوں میں ذکرُ اللہ کی کثرت کرنا چاہیے، چلتے، پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، جہاں موقع ملے اللہ کا ذکر کریں۔
حجاج کرام کو حکم یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر تغیرِ حال پر تلبیہ پڑھیں، بیٹھے تھے کھڑے ہو گئے، کھڑے تھے بیٹھ گئے، تو تلبیہ پڑھیں کوئی نظر آ جائے تو اسے دیکھ کر کہ پہلے تلبیہ پڑھیں، پھر السلام علیکم کہیں، ہر جگہ پر تلبیہ پڑھنے کا حکم ہے، یہ ذکر چوں کہ وہ لوگ چوبیس گھنٹے کر رہے ہیں، مکہ کی وادی، اس کے پہاڑ، اس کی بلڈنگیں اور منیٰ، مزدلفہ کے میدان سب مقامات ذکرُ اللہ کی آواز سے گونج رہے ہوتے ہیں جب ایسا ہے تو سارے عالم کے مسلمانوں کو تکبیراتِ تشریق کے ذریعے اُن کی تائید کرنا چاہیے، ان کی مماثلت میں قربانی کا عمل اُن کی مماثلت میں تکبیر تشریق تلبیہ کے بمقابل ہمارے لیے مشروع کر دی گئی ہے، اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خود بھی ارشاد ہے کہ ان مبارک دنوں کی قدر کثرتِ تکبیر سے کرو، اللہ تعالیٰ کی بڑائی زیادہ سے زیادہ بیان کر کے ان دنوں کی قدر کرنا ہے، اور آدمی کچھ کما نہ سکے تو اتنا تو کر لے کہ جو کمایا ہے وہ نہ گنوائے، اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ کم سے کم گناہ تو نہ کرے، یہ

مبارک ایام ہیں، مبارک راتیں ہیں، ان میں گناہ تو نہ کریں، جھوٹ بولنا گناہ ہے، غیبت کرنا گناہ ہے، ساتھیوں کو تکلیف دینا گناہ ہے، بحث تکرار جس سے رنجشیں پیدا ہوں گناہ کی بات ہے، اور دل میں کسی سے بغض رکھنا، حسد رکھنا گناہ کی بات ہے، ریا کاری گناہ ہے، بے جا غصہ بھی گناہ ہے، یہ سب کام گناہ ہیں، اس لئے ان مبارک ایام میں نہ اعضاء و جوارح کے گناہ کریں، نہ معصیاتِ قلبیہ میں مبتلا ہوں، سب سے پاک صاف رہ کر اللہ کو دکھائیں کہ آپ نے اسے محترم وقت بنایا ہے تو ہم نے بھی آپ کو ان کا احترام کر کے دکھایا ہے، جیسے لوگ مکہ میں جاتے ہیں، حرم میں جاتے ہیں، مدینہ منورہ جاتے ہیں تو ان مقامات کا احترام کر کے دکھاتے ہیں کہ یہ بہت عزت کی جگہ ہے، بہت احترام کا مقام ہے، اسی طرح ہمیں ان دنوں اور راتوں کا احترام کر کے اللہ تعالیٰ کو دکھانا چاہیئے اور حقیقی معنوں میں احترام و ادب تو اہلُ اللہ کے احوال پڑھیں گے تو سمجھ میں آئے گا، پتہ چلے گا کہ کیسے مقدس مقامات اور مقدس اوقات کا احترام کیا جاتا ہے۔ ورنہ تو بے تہذیبوں اور بے تمیزوں کے درمیان میں زندگی گزارنے والے ہم جیسوں کو کیا پتہ چلے کہ تہذیب و ادب کس چیز کا نام ہے؟ اگر ہم اہلُ اللہ کو پڑھیں گے، یا ان کو دیکھیں گے، تو ہمیں تہذیب و ادب کا پتہ چلے گا، ادب اللہ تعالیٰ نے سکھایا۔

بہر حال! ان ایام کی قدر کرنے کی کوشش کرنا چاہئے، عید کی شب کی بھی قدر کرنے کی کوشش کریں، شبِ عید میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ شانہ نے فضیلت رکھی ہے، وَلَيَالٍ عَشْرٍ میں شبِ عید بھی شامل ہے، اس لیے اسے صرف خرید و فروخت میں، بکرا منڈی دیکھنے میں، یا گھومنے پھرنے میں ضائع نہ کریں، کسی کو خریدنا ہے تو الگ بات ہے، لیکن ویسے ہی خالی پھرنے گھومنے کا کیا فائدہ؟ اس کے بجائے عبادت کرنا چاہیے، جب اللہ نے رات کو مقدس بنایا ہے تو اس کا بھی احترام کرنا چاہیے، عبادت کرنا چاہیے، اسی طرح ''یوم العید'' میں بھی کھالیں، پی لیں، ہنس بول لیں؛ اچھا پہن لیں، بچوں کو انعام و احسان سے خوش کریں، لیکن معصیت اور گناہ اس میں بھی ہمارے لیے جائز نہیں ہے، نصاریٰ و یہود اور ہنود کے ہاں تہوار کا مطلب ہوتا ہے جو چاہے کرو، سب بندشیں ختم، تہذیب و اخلاق کی بھی کوئی پرواہ نہیں، حلال و حرام کا بھی کوئی مسئلہ نہیں، لیکن اسلام میں تو ایسا نہیں ہے، اسلام کہتا ہے کہ خوشی کا دن ہے تو جس نے خوشی عطا فرمائی ہے اس کی یاد میں اضافہ کرو، اس کے شکر میں اضافہ کرو، لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ

الْمُحْسِنِيْنَ۝۳۷ (الحج) ترجمہ: اللہ کو نہ اُن (جانوروں) کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہونچتا ہے، اس نے یہ جانور اسی طرح تمہارے تابع بنا دیئے ہیں تا کہ تم اس بات پر اللہ کی تکبیر کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی اسی طرح قربانی کے جانور کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۳۶ (الحج) ان چوپایوں کو اللہ نے تمہارے زیرِ اثر کر دیا ہے، تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ بیل کتنا مضبوط اور طاقتور جانور ہے، اور اونٹ کتنا مضبوط بلند اور ناقابلِ تسخیر ہے؛ اونٹ تو ایک ہی جھٹکے میں آدمی کی کھوپڑی نکال دیتا ہے: لیکن اس کو بھی اللہ نے مسخر کر دیا، کیوں؟ تا کہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو، اس نے ہدایت دی، اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو کہاں سے ملتی، اس لیے اس کی ہدایت دینے کو مدِ نظر رکھو، اور ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھو، اور اس کے شکرانے میں اللہ ربُّ العزت کے ذکر میں تسبیح، تکبیر اور تحمید میں مشغول رہو، تکبیر کے بعد دوسری چیز شکر ادا کرو کہ ہم جیسے عاصی اور باغی بندوں سے اللہ تعالیٰ نے کہا آج ہماری طرف سے تمہارے لئے عید کا دن ہے، خوشیاں مناؤ، اللہ پاک نے خوشی منانے کا ہمیں حکم دیا، یہ ہمارا حق کیا تھا؟ حق نہیں تھا، اسی کی عطا ہے، اس لیے تم اس کا شکر ادا کرو، اور یہ سوچو کہ اس نے ہمارے جذبات کا خیال فرمایا، ہمیں دنیا میں بھی خوشی دی، اللہ کرے کہ آخرت میں بھی خوش کر دے، اس لیے اللہ کی طرف دھیان دو توجہ دو، شکر ادا کرو، شکر سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے، کچھ موقع مل جائے قرآن کی تلاوت کر لو، تکبیر اور تسبیح وتحمید جتنی کر سکو، کرو، زبان کھولنے میں تو کوئی تھکن بھی نہیں ہوتی، آدمی باتیں کرتا ہے گھنٹوں نکل جاتے ہیں، پتہ بھی نہیں چلتا، کیوں کہ کان تھکتے ہیں، آنکھ بھی تھک جاتی ہے، لیکن زبان ہے کہ تھکنے کا نام ہی نہیں لیتی، تو پھر اس کا زیادہ سے زیادہ استعمال آخرت کے کمانے میں کیوں نہ کیا جائے اور اگر اس کو یوں ہی چھوڑ دو تو گناہ کمانے میں لگی رہے گی۔

کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا زبان سے نکلی باتوں کا بھی حساب ہوگا؟ اعمال کا تو ہوگا، کیا اقوال کا بھی حساب ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم میں جانے والوں کی اکثریت زبان ہی کی وجہ سے تو جاتی ہے، وھل یکب الناس فی النار علی وجوھھم او علی مناخرھم الا حصائد السنتھم (ترمذی:2616) اس لئے بہت زیادہ اہتمام سے زبان کی حفاظت کرنا پڑتا ہے، زبان سے صادر ہونے والی بہت سی معصیتیں ایسی ہیں کہ ان کے معصیت ہونے کا ہمیں علم بھی نہیں ہے، علم ہے تو یاد داشت نہیں، امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں ''آفات اللسان'' کا عنوان قائم کر کے

۲۲ آفتوں کا ذکر کیا، کوئی عضوِ انسان کا ایسا نہیں ہے جو اتنے گناہِ کبیرہ کرتا ہو جتنا زبان کرتی ہے، اس لیے اس کی حفاظت کرنے کے لیے بہت توجہ دینی پڑتی ہے، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بولنے کے معاملے میں چوکنا رہتے تھے، بہت سوچ سمجھ کے بولا کرتے تھے، اس لئے کہ بہت سے بول جہنم میں جانے کا سبب ہوتے ہیں، بہت سے بول خاندان بکھرنے کا سبب ہوتے ہیں، بہت سے بول میاں بیوی کی جدائی کا سبب ہو جاتے ہیں، بہت سے بول بچوں کی دل آزاری کا اور ان کی بربادی کا سبب ہوتے ہیں، بہت سے بول دوستوں کو بچھڑا دیتے ہیں، بولوں سے ہی روئے زمین کا فساد ہے، اس لیے زبان کی نگہداشت کرنے والا ولیُ اللہ ہے، جو شخص واقعی آخرت کا فکرمند ہے، جو واقعی اپنی دنیا و آخرت بھلی بنانا چاہتا ہے تو اس کو زبان کی حفاظت کرنا چاہیے، اِن مبارک دنوں میں تو اور زیادہ کرنا چاہیے، جب اللہ کسی وقت کو مبارک بنائے، یا کسی جگہ کو مبارک بنائے، تو ان مقامات اور اوقات کے تقدس و برکت کا تقاضہ یہی ہے کہ ان میں گناہ نہیں کرنا چاہیے، حرم میں اگر کوئی اللہ کی نافرمانی کا ارادہ بھی کرے تو ''عذابِ الیم'' کی سزا دی جائے گی وَمَنۡ یُّرِدۡ فِیۡہِ بِاِلۡحَادٍۭ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡہُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۵﴾ اس لیے کہ یہ جگہ عام جگہوں کے مقابلے میں مقدس و محترم ہے، اللہ کی خاص بارگاہ ہے، اسی طرح ذی الحج پہلی والی شب سے لے کر عرفہ تک مخصوص ایام ہیں، اس کے بعد ایامِ نحر ہیں، کچھ ایام تشریق ہیں، ان سب کی فضیلتیں جانتے بوجھتے بھی ان کی ناقدری کر کے اللہ کو دکھانا یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہمارا دل سخت ہو گیا ہے، جو کہ ایک طرح سے عذابِ الٰہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : فَوَیۡلٌ لِّلۡقٰسِیَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ مِّنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲۲﴾ (الزمر) بربادی اُن کی ہے جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہو چکے ہیں، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ فَہِیَ کَالۡحِجَارَۃِ اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَۃً تمہارے دل پھر سخت ہو گئے یہاں تک کہ وہ ایسے ہو گئے جیسے پتھر، بل کہ سختی میں کچھ ان سے بھی زیادہ۔(البقرۃ:۷۴) دیکھئے! یہاں یہودیوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ تمہیں ہم نے سنگ دلی کے عذاب میں مبتلا کر دیا، معلوم ہوا کہ یہ ایک قسم کا عذاب ہے، جس کا کسی آدمی کو احساس ہی نہیں ہوتا، اور احساس کا نہ ہونا قلوب کے سخت ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کبھی ماحول میں خرابی اور ماحول کی مخالفت کا بھی اثر ہوتا ہے، چوں کہ آج کے ماحول میں کوئی ان نعمتوں کی قدر نہیں کر رہا ہے اس لیے اور چوکنا رہنا چاہیے۔ ماحول میں کیا ہو

رہا ہے کیا نہیں ہو رہا ہے؟ ہمیں یہ نہیں دیکھنا ہے، ماحول نیکیوں کے لئے موافق ہو تو بہت اچھا، لیکن اگر ماحول میں ہم کو غفلت دکھائی دے رہی ہے تو بھی یہ طئے کر لینا چاہیئے کہ جو غافل رہنا چاہ رہے ہیں اُن کی مرضی وہ غافل رہیں، ہم تو کسی حال میں غافل نہیں رہیں گے، ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، ہمیں اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کی، اُن کی مغفرت ورحمت کی بہت ضرورت ہے، اس لیے ہم کو یہ نہیں دیکھنا ہے کہ دوسرا کیا کر رہا ہے، ہم اپنی فکر کریں، جب ہر شخص اپنی فکر کرتا ہے تو ماحول خود بخود بن جاتا ہے، اور اگر ہر شخص دوسرے کو دیکھ کر یہ سوچے کہ وہ نہیں کر رہا ہے تو میں کیوں کروں؟ تو ماحول خود بخود خراب ہوتا جائے گا، ماحول کیا چیز ہے؟ ماحول ہمارے ہی مجموعے کا نام ہے، ہم اچھے ہیں تو ماحول اچھا ہے، ہم خراب ہیں تو ماحول خراب ہے۔ بہر حال ان باتوں کی طرف توجہ دیں، کوشش وفکر کریں، اس عشرے کے ایک ایک لمحے کی قدر کریں، اللہ کچھ دینا چاہتے ہیں تو لینے کی کوشش کر کے اللہ کو دکھاؤ کہ ہم محتاج ہیں، اللہ اگر ہماری طلب دیکھیں گے تو خوش ہو جائیں گے، ہم کیا اللہ تعالیٰ کو خوش کر پائیں گے وہ خود ہی سے خوش ہو جاتے ہیں، جب بندے کو دیکھتے ہیں کہ وہ میرا خیال رکھتا ہے تو بس خود ہی خوش ہو جاتے ہیں، ورنہ ہم ان کو خوش کرنے کے قابل کیا کام کر کے بتا سکتے ہیں؟ کچھ بھی ہمارے پاس نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیقِ عمل نصیب فرمائے، قدر کرنے، اعمالِ صالحہ میں اضافہ کرنے اور اعمال سیئہ سے بچنے کی اپنے کرم سے توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت سعدی بنت کریزؓ

(حضرتِ اروی بنت کریز کی بہن)

از: مولانا مفتی رفیع حنیف صاحب قاسمی*

نام ونسب

یہ عظیم صحابیہ ہیں، حضرت اروی بنت کریزؓ ـــــ جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے، ـــــ کی بہن ہیں، ان کا نام ونسب کچھ اس طرح ہے: سعدی بنت کریز بن ربیعہ بن عبد شمس العبشمیۃ ، یہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ کی خالہ ہوتی ہیں (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، سعدی بنت کرز: ۱۷۶/۸، دار الکتب العلمیۃ ، بیروت)۔ زمانہ جاہلیت میں کہانت سے شغف رکھتی تھیں اور اس میں بڑی ماہر تھیں، شعروشاعری میں بھی کافی درک حاصل تھا۔

(الاعلام للزرکلی، سعد بن کریز، ۹۰/۳، دار العلم للملائین، بیروت)

قبول اسلام

یہ نہ صرف شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں ؛ بلکہ حضرت عثمانؓ کے قبول اسلام میں ان کا بڑا کردار رہا ہے، بعض روایتوں سے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ دعوت حق کا مژدہ سنتے ہی دامن اسلام سے وابستہ ہوگئیں تھی۔

قادر الکلام شاعرہ

بڑی قادر الکلام اور عربی زبان کی فصیح وبلیغ شاعرہ تھیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے سلسلے میں ان کا جو کلام منقول ہے، وہ فصاحت وبلاغت کا اعلیٰ نمونہ اور کہانت اور پیش گوئی (گرچہ اسلام میں ناجائز) ان کی مہارت کا بھی پتہ دیتا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قبول اسلام اور ان کی خالہ کی دعوت اور ان کے حضرت رقیہ سے نکاح کے حوالے سے کہے ہوئے شاعر قابل دید اور ادبی قابلیت پر دال ہیں۔

* استاذ فقہ وادب: ادارہ کہف الایمان ٹرسٹ، بورہ بنڈہ، حیدر آباد

سارا واقعہ کچھ اس طرح درپیش ہوا، جس کو مختلف اصحاب تاریخ وسیر نے بڑی تفصیل کے ساتھ تحریر کر کے ان کے اشعار کے نمونہ کو محفوظ کر دیا ہے۔ان اصحاب سیر میں صاحب البدایہ والنہایۃ، علامہ ابن کثیر، صاحب تاریخ دمشق ابن عساکر اور صاحب الاصحابہ فی تمییز الصحابہ علامہ اور دیگر حضرات شامل ہیں۔

علامہ ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ میں نقل کرتے ہیں: اس واقعے کا** سلیس، ادبی اور شگفتہ** اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

حافظ ابن عساکر کی روایت کے مطابق حضرت عثمان ذوالنورین کے اسلام لانے کا قصہ نہایت دلکش اور عجیب ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب انہیں یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ کا نکاح (جو حسن و جمال میں یکتا تھیں) ان کے چچا زاد عتبہ بن ابی لہب سے کر دیا ہے، تو انہیں سخت ملال ہوا کہ یہ سعادت ان کے حصے میں کیوں نہ آئی۔ وہ اسی حسرت اور سوچ میں ڈوبے ہوئے اپنے گھر پہنچے۔

وہاں ان کی خالہ ''سعدی بنت کریز'' موجود تھیں، جو کہانت اور پیشگوئیوں کا علم رکھتی تھیں، انہیں افسردہ دیکھ کر خالہ نے پراثر اشعار میں کہا:

أبشر وحيّيت ثلاثا تترا ثم ثلاثا وثلاثا أخرىٰ

ثم بأخرى كي تتم عشرا أتاك خير ووقيت شرا

أنحكت والله حصانا زهرا وأنت بكر ولقيت بكرا

وافيتها بنت عظيم قدرا بينت أمرا قد أشاد ذكرا

''تمہیں مژدہ ہو! پر سلامتی کی بارش ہو، ایک بار نہیں بلکہ بار بار! تمہارے آنگن میں خیر نے دستک دی ہے اور تم شر سے بچا لیے گئے ہو۔خدا کی قسم!! تمہارا نکاح ایک ایسی پاکدامن اور صاحبِ جمال خاتون سے ہوگا جو خود بھی کنواری ہوگی اور تم بھی کنوارے ہوگے۔تم ایک بلند مرتبہ ہستی (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی لختِ جگر کو پاؤ گے اور یہ رشتہ تمہاری شہرت کو چار چاند لگا دے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کی باتیں سن کر حیران رہ گیا کہ وہ مجھے اس خاتون کی خوشخبری دے رہی ہیں جو کسی اور کے عقد میں جا چکی ہیں، میں نے پوچھا: خالہ! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟" انہوں نے جواب دیا:

لک الجمال ولک اللسان هذا نبی معه البرهان

أرسله بحقه الديّان وجاءه التنزيل والفرقان

فاتبعه لا تغتالک الأوثان

’’اے عثمان! تم حسن کے پیکر بھی ہو اور فصاحتِ بیاں بھی رکھتے ہو، سنو! ایک نبی مبعوث ہو چکے ہیں جن کے پاس روشن دلیلیں ہیں، انہیں خدائے برحق نے اپنا پیغام دے کر بھیجا ہے اور ان پر حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب (قرآن) نازل ہوئی ہے، تم ان کی پیروی کرلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بت تمہاری بصیرت چھین لیں‘‘۔

میں نے حیرت سے کہا کہ آپ ایسی بات کر رہی ہیں جس کا ہمارے شہر میں تذکرہ تک نہیں، انہوں نے جواب دیا: "محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ کے فرستادے ہیں، وہ اللہ کی وحی لے کر آئے ہیں اور اسی کی طرف بلاتے ہیں، پھر انہوں نے مزید کہا:

مصباحه مصباح ودينه فلاح

وأمره نجاح وقرنه نطاح

ذلت له البطاح ماينفع الصياح

لو وقع الذباح وسلت

وسلّتِ الصِفاح ومدّت الرماح

’’ان کا چراغِ ہدایت روشن ہے، ان کا دین سراسر فلاح ہے اور ان کا راستہ کامیابی کا ضامن ہے۔ جو ان سے ٹکرائے گا، پاش پاش ہو جائے گا۔ عرب کے میدان ان کے سامنے جھک جائیں گے اور جب حق کی تلواریں میان سے باہر آئیں گی، تو باطل کا شوروغوغا اسے بچا نہ سکے گا۔‘‘

حضرت عثمانؓ کی خدمت نبوی میں حاضری

حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ: میں ان باتوں پر غور کرتا ہوا نکلا تو راستے میں حضرت ابوبکر صدیق سے ملاقات ہوئی تو انہیں سارا ماجرا کہہ سنایا تو انہوں نے فرمایا: اے عثمان! تم ایک دور اندیش اور صاحبِ رائے انسان ہو، تم پر حق اور باطل کا فرق پوشیدہ نہیں ہے، ذرا سوچو، یہ بت جن کی ہماری قوم پرستش کرتی ہے، کیا محض بے جان پتھر نہیں؟ جو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان؟ میں نے اقرار کیا: خدا کی قسم! حقیقت یہی ہے۔

تب حضرت ابوبکر نے فرمایا: تمہاری خالہ نے سچ کہا ہے، یہ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہی اللہ کے وہ رسول ہیں جنہیں خالقِ کائنات نے تمام مخلوق کے لیے مبعوث فرمایا ہے، کیا تم ان کی زیارت کے لیے چلو گے؟ چنانچہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے (دیکھتے ہی) فرمایا: اے عثمان! اللہ کی

پکار پر لبیک کہو اور اس کی جنت کی طرف آؤ، میں تمہاری اور تمام جہان کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔

حضرت عثمان کہتے ہیں: "خدا کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لہجے کی تاثیر اور کلام کی سچائی ایسی تھی کہ میں خود پر قابو نہ رکھ سکا اور وہیں کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ میں نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔" قال واللہ ما تمالكت حين سمعت قوله أن أسلمت وشهدت أن لا إله الا الله وحده لا شريک له وأن محمدا عبده ورسوله" (البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، نسبہ، ۱۰/ ۳۴۸، دار ہجر للطباعۃ والنشر، الطبعۃ الاولی: ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷م)

ایک مبارک رشتہ اور خالہ کی مبارک بادی

اسلام لانے کے کچھ ہی عرصہ بعد (جب عتبہ نے طلاق دے دی) تو حضرت عثمانؓ کا نکاح حضرت رقیہؓ سے ہو گیا۔ یہ جوڑی ایسی مثالی تھی کہ اس وقت لوگوں کی زبان پر یہ تذکرہ عام تھا:

أحسن زوج رآهما إنسان رقية وزوجها عثمان

"انسانوں نے اگر کبھی کوئی حسین ترین جوڑا دیکھا ہے، تو وہ رقیہ اور ان کے شوہر عثمان ہیں"

اس موقع پر ان کی خالہ سعدی نے بڑے فخریہ انداز میں یہ اشعار کہے:

هدى الله عثمانا بقولي إلى الهدى وأرشده والله يهدي إلى الحق

فتابع بالرأي السديد محمدا وكان برأي لا يصدُ عن الصدق

وأنكحه المبعوث بالحق بنته فكانا كبدر مازج الشمس في الأفق

فداؤک يا ابن الهاشميين مهجتي وأنت أمين الله أرسلت للخلق

"میری بات نے عثمان کو حق کی راہ دکھائی اور اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔ انہوں نے اپنی بہترین دانش مندی سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا اور وہ ایسی سچی رائے کے مالک ہیں جو حقیقت سے کبھی منہ نہیں موڑتی، اللہ کے سچے نبی نے اپنی لختِ جگر کا نکاح ان سے کر دیا، تو ان دونوں کا ملاپ ایسا لگا جیسے افق پر چاند اور سورج یکجا ہو گئے ہوں، اے ہاشمیوں کے چشم و چراغ! میری جان آپ پر نثار ہو، آپ ہی اللہ کے وہ امین ہیں جو پوری کائنات کی رہنمائی کے لیے بھیجے گئے ہیں"۔

دیگر احوال اور وفات

ان اشعار نے ان کو دوام اور خلود عطا یا، مزید ان کے احوال کتب سیر و تاریخ میں نہیں ملتے۔

اصلاحی مضامین

گرمائی تعطیلات کو کیسے مفید بنائیں؟

ازقلم: مفتی محمد عبدالحمید شاکر قاسمی*

گرمائی تعطیلات محض آرام وفراغت کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ایسا سنہری، بابرکت اور نہایت قیمتی موقع ہوتا ہے جس میں انسانی شخصیت کی ہمہ جہتی تعمیر و تشکیل کے دروازے کھلتے ہیں اور ایک طالب علم کو اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے، اپنی کمزوریوں کی اصلاح کرنے اور اپنی فکری و عملی استعداد کو جِلا بخشنے کا نادر موقع میسر آتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب تعلیمی اداروں کے سخت معمولات سے وقتی آزادی حاصل ہوجاتی ہے اور انسان اپنی زندگی کے ان گوشوں پر بھی توجہ دے سکتا ہے جنہیں تعلیمی مصروفیات کے باعث نظرانداز کرنا پڑتا ہے، جیسے کہ خوداحتسابی، مستقبل کی منصوبہ بندی اور ذاتی اہداف کا تعین۔ اگر اس قیمتی موقع کو محض غفلت، سستی، بے مقصد مشاغل اور فضول سرگرمیوں میں ضائع کردیا جائے تو یہ نہ صرف ایک عظیم نقصان کا سبب بنتا ہے بلکہ انسان کی صلاحیتیں بھی زنگ آلود ہو جاتی ہیں، جبکہ اس کے برعکس اگر اسے شعور، حکمت، نظم و ضبط اور صحیح منصوبہ بندی کے ساتھ استعمال کیا جائے تو یہی تعطیلات ایک ایسے مضبوط فکری، اخلاقی اور تعلیمی ڈھانچے کی بنیاد رکھ دیتی ہیں جو آنے والی زندگی میں کامیابی، استقامت اور وقار کا ذریعہ بنتی ہیں، اور یہی وہ پہلو ہے جو ایک عام طالب علم کو غیرمعمولی شخصیت میں تبدیل کردیتا ہے۔

وقت کی اہمیت:

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وقت سب سے قابلِ قدر چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھا کر انسان کو متنبہ کیا: وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ (العصر: 1-2)۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہاں "عصر" سے مراد وقت ہے اور اس میں یہ پیغام ہے کہ جو شخص اپنے وقت کو صحیح استعمال نہیں کرتا وہ خسارے میں ہے (تفسیر ابن کثیر، ج 8، ص 499)۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ "اے انسان! تو دنوں کا مجموعہ ہے، جب ایک دن گزر جاتا ہے تو تیرا ایک حصہ ختم ہوجاتا ہے" (حلیۃ الاولیاء، ج 2، ص 148)۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے

* جامعہ عربیہ توپران ضلع میدک تلنگانا

کہ" دن اور رات تم میں کام کررہے ہیں، تم بھی ان میں کام کرو"۔سلف صالحین اپنے اوقات کی حفاظت اس قدر کرتے تھے کہ فضول گفتگو کو بھی نقصان سمجھتے تھے۔امام ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ وقت کا ضیاع موت سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ موت انسان کو دنیا سے جدا کرتی ہے جبکہ وقت کا ضیاع اللہ سے دور کردیتا ہے(الفوائد،ص44)۔ لہٰذا یہ تعطیلات دراصل خودسازی، عبادت، علم اور کردار سازی کا بہترین موقع ہیں۔

نظام الاوقات

اس ضمن میں سب سے پہلی اور بنیادی ضرورت ایک منظم، متوازن اور بامقصد نظام الاوقات (شیڈول) کی ترتیب ہے، کیونکہ بغیر منصوبہ بندی کے وقت کا بہترین استعمال ممکن نہیں ہوتا اور انسان غیر شعوری طور پر اپنے قیمتی لمحات کو ضائع کر دیتا ہے۔ایک ایسا جامع شیڈول ترتیب دینا چاہیے جس میں عبادات، تعلیمی سرگرمیاں، جسمانی ورزش، آرام، تفریح اور مطالعہ سب کو متناسب اور معتدل انداز میں شامل کیا جائے، ساتھ ہی روزانہ کے اہداف مقرر کیے جائیں تاکہ ہر دن کا واضح مقصد ہو۔صبح کا وقت، جو ذہنی تازگی، سکون اور یکسوئی کا مظہر ہوتا ہے، اسے علمی سرگرمیوں کے لیے مخصوص کیا جانا چاہیے۔اس دوران کمزور مضامین پر توجہ، اور آئندہ نصاب کی تیاری بھی شامل ہو تاکہ خود اعتمادی پیدا ہو۔اسلام نے نظم وضبط کو عبادت کے ذریعے سکھایا ہے، جیسا کہ نماز کے اوقات مقرر ہیں: إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا (النساء:103)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مکمل نظم کا نمونہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوقات عبادت، تعلیم اور معاشرت میں تقسیم تھے۔حضرت عمرؓ فرماتے تھے:" اپنے نفس کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے" (سنن ترمذی، اثر)۔اکابر علماء روزانہ اپنے وقت کا حساب رکھتے تھے، امام نوویؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ایک دن میں کئی کئی علوم کا مطالعہ کرتے تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کامیابی صرف محنت سے نہیں بلکہ منظم محنت سے حاصل ہوتی ہے۔مزید یہ کہ شیڈول میں اعتدال ضروری ہے، تاکہ انسان مستقل مزاجی کے ساتھ اس پر عمل کر سکے۔یہی مستقل مزاجی انسان کو کامیابی کی منزل تک پہنچاتی ہے۔

زبان پر مہارت:

گرامر، زبان اور اظہار کی کمزوری ایک ایسی بنیاد ہے جو اگر کمزور ہو تو پورا تعلیمی ڈھانچہ متزلزل ہو جاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ طلبہ اس جانب خصوصی توجہ دیں اور روزانہ کی بنیاد پر زبان کی درستگی، جملہ سازی، املا کی مشق اور تحریری اظہار کی بہتری کے لیے وقت نکالیں، نیز روزانہ ایک مختصر پیراگراف یا ڈائری لکھنے کی عادت بھی اپنائیں تاکہ اظہار میں روانی پیدا ہو۔کیونکہ زبان صرف ابلاغ کا ذریعہ نہیں بلکہ فکر کی ترجمان ہوتی ہے اور

جتنی مضبوط زبان ہوگی اتنا ہی مضبوط انسان کا اظہار ہوگا۔اسی طرح ریاضی جیسے مضامین، جو منطق، استدلال اور ذہنی تربیت کا ذریعہ ہیں، ان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے مسلسل مشق ضروری ہے۔قرآن مجید میں علم کی فضیلت واضح ہے: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الزمر: 9)۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے" (بخاری: 6018)۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ علم نور ہے، اور زبان اس نور کا اظہار ہے۔حضرت علیؓ نے فرمایا: "انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوتا ہے"۔اس لیے زبان کی اصلاح دراصل شخصیت کی اصلاح ہے۔اسی طرح ریاضی ذہن کو ترتیب دیتی ہے، اور امام غزالیؒ نے اسے عقل کی تربیت کا ذریعہ قرار دیا ہے (احیاء العلوم، ج 1)۔لہٰذا تعطیلات میں ان بنیادوں کو مضبوط کرنا مستقبل کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

خارجی فنون

تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید مہارتوں کا حصول بھی اس دور کی ایک اہم ضرورت ہے، اور اس میں کمپیوٹر کی تعلیم ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ موجودہ زمانہ ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے اور جو شخص اس سے ناواقف ہے وہ عملی طور پر پیچھے رہ جاتا ہے۔بچوں کو چاہیے کہ وہ کمپیوٹر کے بنیادی اصول، ٹائپنگ، انٹرنیٹ کے مثبت استعمال اور مفید سافٹ ویئرز کی تربیت حاصل کریں، نیز ڈیجیٹل سیفٹی کو بھی سمجھیں۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے" (ابن ماجہ: 224)۔اس میں ہر وہ علم شامل ہے جو انسان کے لیے مفید ہو۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں: "علم دولت سے بہتر ہے"۔آج کے دور میں ٹیکنالوجی بھی علم کا حصہ ہے۔اگر اسے مثبت انداز میں استعمال کیا جائے تو یہ دعوت، تعلیم اور خدمتِ خلق کا ذریعہ بن سکتی ہے۔اس لیے طلبہ کو چاہیے کہ وہ ٹیکنالوجی کو مقصد کے ساتھ استعمال کریں نہ کہ محض تفریح کے لیے۔

اسلامی سمر کیمپ

اسلامی سمر کیمپ ایک بہترین تربیتی ذریعہ ہیں جہاں علم، عمل، اخلاق اور روحانیت کا حسین امتزاج ہوتا ہے۔ان سمر کیمپوں میں یہی طریقہ اپنایا جاتا ہے جہاں بچوں کی ہمہ جہتی تربیت ہوتی ہے۔اسلامی سمر کیمپ ایک بہترین تربیتی ذریعہ ہیں جہاں علم، عمل، اخلاق اور روحانیت کا حسین امتزاج ہوتا ہے اور بچے نہ صرف دینی معلومات حاصل کرتے ہیں بلکہ اپنی عملی زندگی کو بھی بہتر بناتے ہیں۔یہ کیمپ بچوں کو ایک ایسا ماحول فراہم کرتے ہیں جہاں وہ نیکی، عبادت اور اچھے اخلاق کے ساتھ جڑتے ہیں اور برے اثرات سے محفوظ رہتے

ہیں۔ان میں قرآن کی تلاوت، تجوید، نماز کی پابندی، سنتوں کی تعلیم اور اسلامی آداب کو عملی طور پر سکھایا جاتا ہے، جس سے بچوں کے دلوں میں دین کی محبت پیدا ہوتی ہے اور وہ ایک متوازن شخصیت کے مالک بنتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (المجادلہ:11) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ علم اور ایمان انسان کو بلند درجات عطا کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے" (صحیح بخاری: 5027)۔اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ" ہم دس آیات سیکھتے، پھر ان پر عمل کرتے، پھر آگے بڑھتے تھے" (جامع بیان العلم، ج1،ص77)۔ ان کیمپس کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ یہاں بچوں کو عملی زندگی کے آداب سکھائے جاتے ہیں، جیسے وقت کی پابندی، نظم وضبط، دوسروں کا احترام اور خود انحصاری۔انہیں گروپ سرگرمیوں کے ذریعے قیادت، ٹیم ورک اور فیصلہ سازی کی ابتدائی تربیت دی جاتی ہے، جس سے ان میں اعتماد پیدا ہوتا ہے اور وہ معاشرے میں ایک مثبت کردار ادا کرنے کے قابل بنتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " مومن مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے" (بخاری:481)۔اس حدیث سے اجتماعی زندگی کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ" جماعت میں برکت ہے" ۔اسی طرح امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ انسان تنہا نہیں بلکہ معاشرے کا حصہ ہے، اس لیے اسے دوسروں کے ساتھ چلنا سیکھنا چاہیے (احیاء العلوم، ج2)۔سمر کیمپس بچوں کو یہی اجتماعی شعور دیتے ہیں، جس سے وہ مستقبل میں ایک ذمہ دار شہری بنتے ہیں۔مزید یہ کہ قیادت کی تربیت انسان کو خود اعتمادی دیتی ہے اور وہ مشکل حالات میں بھی درست فیصلے کرسکتا ہے، جو کہ کامیاب زندگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔عمومی مزاج اگر اس کے ساتھ دعوت وتبلیغ کے کام کو بھی شامل کیا جائے تو بچوں کے اندر عملی دعوتی شعور پیدا ہوتا ہے، وہ چھوٹے چھوٹے اعمال کے ذریعے دوسروں کو نیکی کی طرف بلانے کی کوشش کرتے ہیں، جیسے گھر میں نماز کی ترغیب دینا، اچھے اخلاق اپنانا اور دوسروں کی مدد کرنا۔اس طرح ان کے اندر ایک مثبت، ذمہ دار اور بامقصد شخصیت پروان چڑھتی ہے جو معاشرے میں بہتری کا ذریعہ بنتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ (النحل:125)۔اس آیت میں دعوت کے لیے حکمت اور نرمی کی تعلیم دی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی دعوت کا بہترین نمونہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ نرمی، محبت اور حکمت کے ساتھ لوگوں کو دین کی طرف بلایا۔حضرت مولانا الیاسؒ فرمایا کرتے تھے کہ" میری محنت کا مقصد امت کو دین سے جوڑنا ہے" ۔اس لیے بچوں کو شروع سے دعوتی ماحول دینا ضروری ہے تاکہ وہ دین کو صرف سیکھیں ہی نہیں بلکہ دوسروں تک پہنچانے کا جذبہ بھی پیدا کریں۔اس سے ان کے اندر ذمہ داری، اخلاص اور

خدمتِ دین کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جو کہ ایک عظیم صفت ہے۔

والدین کا کردار

والدین کا کردار اس سارے عمل میں نہایت اہم، بنیادی اور فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ بچے اپنی ابتدائی زندگی میں سب سے زیادہ اثر اپنے والدین سے لیتے ہیں۔ والدین کو چاہیے کہ وہ نہ صرف نگرانی کریں بلکہ خود ایک عملی نمونہ بنیں، بچوں کے ساتھ وقت گزاریں، ان کی رہنمائی کریں اور انہیں مثبت سرگرمیوں کی طرف راغب کریں۔ خاص طور پر رات کے اوقات میں بچوں کی نگرانی ضروری ہے تاکہ وہ مضر سرگرمیوں سے بچ سکیں، اور ان کے لیے ایک منظم طرزِ زندگی قائم کی جا سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا" (بخاری: 893)۔ اس حدیث سے والدین کی ذمہ داری واضح ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: "اپنی اولاد کو اپنے زمانے کے مطابق تربیت دو" (کنز العمال)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ والدین کو جدید دور کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے بچوں کی تربیت کرنی چاہیے۔ اگر والدین خود منظم، دیندار اور با اخلاق ہوں گے تو بچے بھی ویسے ہی بنیں گے۔

جسمانی صحت

صحت کے حوالے سے بھی یہ تعطیلات نہایت اہمیت کی حامل ہیں، کیونکہ ایک صحت مند جسم ہی ایک صحت مند ذہن کا عکاس ہوتا ہے۔ بچوں کو چاہیے کہ وہ موبائل گیمز اور غیر ضروری اسکرین ٹائم سے دور رہیں اور کھلے میدانوں میں جا کر کھیلیں، ساتھ ہی ورزش، تیراکی یا سائیکلنگ کو معمول بنائیں تاکہ جسمانی قوت میں اضافہ ہو اور ذہن تازہ رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مضبوط مومن کمزور مومن سے بہتر ہے" (مسلم: 2664)۔ اسی طرح فرمایا: "تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے" (بخاری: 5199)۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام جسمانی صحت کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "اپنے بچوں کو تیرنا، تیر اندازی اور گھڑ سواری سکھاؤ"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جسمانی سرگرمیاں بھی تربیت کا حصہ ہیں۔ آج کے دور میں اگرچہ وسائل بدل گئے ہیں لیکن اصول وہی ہیں کہ جسم کو فعال رکھا جائے۔ اس لیے تعطیلات میں صحت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ انسان جسمانی اور ذہنی طور پر مضبوط ہو سکے۔

اخلاقی تربیت

اخلاقی تربیت بھی تعطیلات کے دوران ایک نہایت اہم پہلو ہے، کیونکہ علم کے ساتھ اگر اخلاق نہ ہوں تو

انسان کی شخصیت ادھوری رہ جاتی ہے۔ بچوں کو سچائی، دیانتداری، احترام، صبر اور برداشت جیسی صفات سکھائی جائیں اور انہیں عملی مواقع فراہم کیے جائیں تاکہ وہ ان صفات کو اپنی زندگی کا حصہ بنا سکیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں" (موطا امام مالک)۔ اسی طرح فرمایا: "قیامت کے دن سب سے بھاری چیز اچھا اخلاق ہوگا" (ترمذی: 2003)۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ "اچھا اخلاق ایمان کا نصف ہے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق کی اہمیت کتنی زیادہ ہے۔ اگر تعلیم کے ساتھ اخلاق نہ ہوں تو وہ علم نقصان دہ بھی ہوسکتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ تعطیلات میں اخلاقی تربیت کو خصوصی طور پر شامل کیا جائے۔ اگر اس پورے تصور کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دیکھا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وقت کی قدر، علم کی طلب، اخلاق کی بہتری اور نظم و ضبط سب اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "انسان نعمتوں کی قدر نہ کرے تو وہ چھن جاتی ہیں" (شعب الایمان)۔ اس لیے وقت کی قدر کرنا ضروری ہے۔ مطالعہ کا یہ باغ، جس میں مسلمان سائنسدانوں جیسے ابنِ سینا، الرازی، الزہراوی اور ابن الہیثم کی روشن مثالیں موجود ہیں، ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ علم، تحقیق اور مسلسل محنت ہی کامیابی کا راستہ ہیں۔ اسی طرح جدید دور میں اے پی جے عبدالکلام کی زندگی بھی اس بات کی مثال ہے کہ منظم زندگی انسان کو بلندیوں تک پہنچا سکتی ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں: "علم کا مقصد عمل ہے" (احیاء العلوم)۔ ابن سینا نے بھی یہی کہا کہ علم کے بغیر عمل بے فائدہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم اور عمل کا امتزاج ہی کامیابی ہے۔

آخر میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ گرمائی تعطیلات، مطالعہ، وقت کی قدر اور صحیح رہنمائی سب مل کر ایک ایسی مکمل زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہیں جو کامیابی، وقار اور مقصدیت سے بھرپور ہوتی ہے۔ اگر ہم ان اصولوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیں اور مستقل مزاجی کے ساتھ ان پر عمل کریں تو یقیناً ہم اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو سنوار سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اوقات کی قدر کرنے، علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

تذکرۂ اسلاف

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ

ڈاکٹر تابش مہدی

میں تعلیمی اَسناد کے مطابق میں ۳/ جولائی ۱۹۵۱ کو اِس جہانِ فانی میں وارد ہوا ہوں۔اب عمر کی اکسٹھ سیڑھیاں عبور کر چکا ہوں۔ اِس دوران میں بے شمار علماء ومشائخ، دینی وملی رہ نماؤں،علم وادب کے شہسواروں، مفکروں اور دانشوروں سے ملنے، اُنھیں نزدیک سے دیکھنے اور اُن کی صحبتوں میں بیٹھ کر سیکھنے اور خط وکتابت کے ذریعے سے ان سے استفادہ واستفاضہ کرنے کے مواقع نصیب رہے ہیں۔ جب پیچھے مڑکر دیکھتا ہوں تو یہ سوچ کر دل شکر ومسرت سے لبریز ہوجاتا ہے کہ علم وادب اور حکمت ومعرفت کے کیسے کیسے آفتاب وماہ تاب سے مجھے شرف نیاز حاصل رہا ہے۔اگران میں مجھ سے ترجیحی نام دریافت کیا جائے تو میں عرض کروں گا کہ میرے نزدیک اُن میں سب سے عظیم ومحترم نام حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ وخلیفۂ اجل،اویس دوراں، مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

یہ وہی مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری ہیں،جنھیں بعض لوگ مولانا شاہ وصی اللہ الٰہ آبادی کے نام سے جانتے اور یاد کرتے ہیں۔ مجھے اس بات کا فخر واعزاز حاصل ہے کہ میں نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ کو نہ صرف دیکھا ہے، بلکہ ڈیڑھ دو برس ان کی مجلسوں میں بیٹھا،اُن کے ملفوظات سنے اور ان کی دُعائیں لی ہیں۔ آپ یقین کیجیے کہ جب بھی کسی مجلس میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری کا ذکر آتا ہے یا کسی کتاب میں ان کا نام نامی نگاہ سے گزرتا ہے،میرے صفحہ، ذہن پر فراق گورکھ پوری کا یہ شعر روشن ہوجاتا ہے اور میں اپنے آپ کو ہِ ہمالہ سے بھی زیادہ بلند تصور کرنے لگتا ہوں ؎

آنے والی نسلیں تم پر فخر کریں گی اے لوگو!
جب اُن کو معلوم یہ ہوگا تم نے فراق کو دیکھا ہے

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے میرے کان اس وقت سے آشنا ہیں، جب میں مکتب میں بٹھانے کے بھی قابل نہیں ہوا تھا۔اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا

شرف مجھے سب سے پہلے ۱۹۶۴ء میں بمبئی کے میں جناب عبدالستار کے دولت کدے پر حاصل ہوا تھا۔ مجلس کے اختتام پر حضرت ہر ایک کو مصافحہ کر کے نہایت ہلکی آواز میں دعائیہ کلمات سے بھی سرفراز فرمارہے تھے۔ چوں کہ میں خردسال تھا، اِس لیے مجھے مصافحے کی سعادت سے ہم کنار کرنے کے ساتھ ساتھ سر پر دستِ شفقت بھی رکھا اور دعاؤں سے بھی سرفراز فرمایا۔ جنوری ۱۹۶۵ء میں میں نے مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں داخلہ لیا۔ یہ مدرسہ خالص تعلیم کے لیے تھا۔ داخلے کی کارروائی مکمل کرنے کے بعد مجھے سب سے پہلے آستانۂ وصی اللہؒ کی جستجو ہوئی۔ میں پابندی کے ساتھ صبح کی مجلس میں حاضری دینے لگا۔ اِس خوف سے کہ کم عمر بچہ سمجھ کر کوئی اٹھا نہ دے، میں بائیں طرف بالکل کنارے بیٹھ جاتا اور حضرت شاہ صاحبؒ کو دیکھتا رہتا تھا۔ جب وہ معاشرے کی خرابیوں اور مسلمانوں کی بے راہ رویوں، نماز کی طرف سے بے توجہی، جماعت کے عدم اہتمام اور سماجی اور اخلاقی بگاڑ کا تذکرہ کر کے اس پر اظہارِ تاسف کرتے، کبھی دونوں ہتھیلیوں کو ملتے، کبھی دونوں کانوں کو زور زور سے مسلتے اور کبھی وفورِ اضطراب میں سامنے کے قریب بیٹھے ہوئے شخص کے سر کو پکڑ کر جھنجھوڑتے تو ایسا لگتا کہ ان کے رگ و پے میں اصلاحِ احوال کی فکرمندی و دردمندی کی بجلی سرایت کیے ہوئے ہے۔ سراپا اضطراب، بے چینی اور درد وسوز کی تصویر نظر آتے تھے۔ کئی بار تو ایسا ہوا کہ ان کی کیفیت دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ جس وقت ان پر یہ کیفیت طاری ہوتی تھی کسی کو ان سے آنکھیں ملانے کی تو کیا سر اٹھانے کی تاب نہیں رہتی تھی۔ اس کیفیت کو لوگوں نے اپنی اپنی سوچ اور فکر کے مطابق لیا ہے۔ کسی نے اسے عالم جذب سے تعبیر کیا ہے اور کسی نے وفورِ غضب سے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ جذب تھا تو وہ جذب نہیں تھا، جو انسان کو شریعت کی پابندیوں سے آزاد کر دیتا ہے۔ بل کہ انتہائی ہوش و حواس والا جذب تھا اور اگر غضب تھا تو یہ غضب للہ تھا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ مجلس میں بیان کے وقت بالعموم حدیث و تفسیر کی مختلف کتابیں سامنے رکھتے تھے۔ دوسری کتابوں میں فارسی کی گلستاں و بوستاں کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ کبھی ان میں سے کوئی بات اور کبھی زبانی طور پر کچھ بیان فرماتے، کبھی مجلس میں بالکل خاموشی رہتی۔ میں ایک معمولی طالب علم تھا۔ فہم کا بھی فقدان تھا۔ مجھے اکثر یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ جو کچھ فرمارہے ہیں میری فلاں فلاں عملی خامیوں، نمازِ باجماعت کے عدم اہتمام یا درسی کوتاہی کو سامنے رکھ کر فرمارہے ہیں۔ میں اِس احساس سے بالکل لرز اٹھتا تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ خود حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو بارہا یہ فرماتے سنا کہ مجھے کیا معلوم کہ کون کیسا ہے اور کس کے دل میں کیا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کبھی کبھی کسی مخصوص حالات، کیفیات اور اعمال کے مطابق زبان سے کوئی بات کہلوا دیتا ہے۔ اسے کچھ اور نہ سمجھا جائے، مجالس میں مکارمِ اخلاق، صدق بیانی، امانت و دیانت، ایفاے عہد اور حسن ظن کے

مضامین پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔

ایک مجلس کا بیان مجھے من وعن یاد ہے۔فرمایا:''میرے وطن (فتح پور تال نرجا ضلع اعظم گڑھ) میں ایک مولوی صاحب تشریف لائے،مجلس میں بیٹھنے کی اجازت چاہی، میں نے اجازت دی اور کہا کہ خاموش بیٹھیے گا، کسی بات پر اعتراض مت کیجیے گا۔اس لیے کہ مجھے یہ بات پہلے سے معلوم تھی کہ انھیں اعتراض کی عادت ہے۔ اُنھوں نے کہا ٹھیک ہے۔خاموشی کے ساتھ مجلس میں بیٹھے رہے۔لیکن جب رخصت ہونے لگے تو ان سے رہا نہ گیا۔ایک اعتراض کر ہی ڈالا۔کہا کہ مولانا! آپ قالین کی جانماز پر کیوں نماز پڑھتے ہیں؟ میں نے کہا کہ آپ سے تو یہ بات طے تھی کہ آپ کسی بات پر اعتراض نہیں کریں گے۔آپ نے وعدہ خلافی کیوں کی؟ بولے مولانا! ایک وسوسہ دل میں تھا،سوچا چلتے چلتے اس کو ظاہر کردوں تاکہ ذہن صاف ہوجائے۔ میں نے ان سے کہا کہ مولوی صاحب! یہ بتائیے کہ ایک تو وہ شخص ہے،جس نے قالین کی یہ جانماز لاکر دی اور خواہش کی میں اِسی پر نماز پڑھوں اور ایک آپ ہیں کہ دیا بھی نہیں اور یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ میں اس پر بیٹھوں۔ بتائیے دونوں میں کون مخلص ہے؟ مولوی صاحب قدرے خفیف ہوئے اور کہا: 'سمجھ میں آ گیا'۔ میں نے کہا مولوی صاحب! آپ کو یہ بات تو معلوم ہوگی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیمتی چیزیں بھی استعمال فرماتے تھے، امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ اچھے کپڑے پہنتے تھے، امام محمدؒ فرماتے تھے کہ میں زیبایش اس لیے اختیار کرتا ہوں تاکہ بیویوں اور باندیوں کی نگاہ دوسروں کی طرف نہ اُٹھے۔ مولوی صاحب! آپ یہ سب کیوں بھول گئے۔آپ کو صرف اعتراض یاد رہ گیا۔ اسلام میں اعتراض تو ہے ہی نہیں۔ یہ تو منافقین کا کام ہے۔'' شاہ صاحبؒ کی مجلس میں بیٹھنے، ان کی باتیں سننے اور تربیتی کتابوں کے مطالعے سے اندازہ ہوا کہ انھیں جماعتوں، انجمن سازیوں، کمیٹیوں کی تشکیل اور پنچایتوں سے نہ صرف یہ کہ کوئی مناسبت نہیں تھی، بلکہ اِنھیں وہ اصلاح وتربیت کے لیے غیر مفید سمجھتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ ان چیزوں سے ذہن میں تبدیلی نہیں آتی، اللہ اور اس کے دین کی عظمت ورفعت دل میں نہیں جاگزیں ہوتی۔فرماتے تھے اس صورت میں ساری توجہ صدارت، سکریٹری اور خازن کے عہدوں یا مجالس شوریٰ وعاملہ کی رکنیت پر ہوتی ہے۔اپنی اصلاح وتربیت کی فکر نہیں ہو پاتی۔فرماتے تھے آدمی اگر خلوص سے محض اللہ کی خوش نودی کے لیے کام کرے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی گردنیں پکڑ پکڑ کر اس کے پاس بھیجے گا اور ان کی اصلاح وتربیت کا سامان فراہم کرے گا۔اس لیے کہ سب کی پیشانیاں اور گردنیں تو اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہیں۔ جماعتوں، انجمنوں، کمیٹیوں اور اس قسم کے دوسرے اداروں کے افراد کی پوری توجہ اپنی اپنی جماعتوں، اداروں اور انجمنوں کی فوقیت اور بالاتری ثابت کرنے پر ہوتی ہے۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ انیسویں صدی کے بالکل اواخر میں اُتر پردیش کے مردم خیز ضلع اعظم گڑھ کے مشرقی حصے فتح پور تال نرجا میں پیدا ہوئے تھے۔ اب یہ حصہ ضلع مئو میں آ گیا ہے۔ حضرت مولاناؒ کے مورث اعلیٰ ملک دین دار خاں تھے۔ ان کا پہلا نام کنور سنگھ تھا۔ کنور سنگھ ۸۴۳ ہجری میں شیرازِ ہند جون پور کے فرماں رواں ابراہیم شاہ شرقی کے دربار میں پہنچے، وہاں کے علماء وصلحا کا صاف، ستھرا اور پاکیزہ ماحول دیکھا، اہلِ علم کی مجلسوں میں شرکت کی اور صوفیاء واہل اللہ کی صحبتیں اختیار کیں، ان سے متاثر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ ان کا نام دین دار رکھا گیا۔ یہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے سولہویں بزرگ تھے۔ چوں کہ کنور سنگھ راج پوت تھے، اس لیے اُنھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے لیے 'خاں' کا لاحقہ پسند کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے والد محترم حافظ محمد یعقوب خاںؒ علاقے کے نہایت متدین اور متقی لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ اُس عہد کے مشہور بزرگ و مصلح داعی و مبلغ حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے اُنھیں شرفِ ارادت حاصل تھا۔ انھوں نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے ایک بیٹی اور دو بیٹے تھے۔ جب کہ دوسری بیوی سے سات بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب دوسرے نمبر پہ تھے۔

یہ بات مختلف سوانح نگاروں کے ہاں ملتی ہے کہ انبیائے کرام کی سنت کے مطابق حضرت شاہ صاحب نے بھی ابتداءً بکریاں چرائیں، اس کے بعد تعلیم شروع ہوئی۔ فتح پور تال نرجا سے دو تین میل کے فاصلے پر ایک بستی حمید پور ہے۔ وہیں کے ایک صاحب نسبت بزرگ حافظ ولی محمد صاحبؒ سے ناظرہ کے بغیر حفظ قرآن مجید کیا۔ یہ بھی محض حسن اتفاق ہے کہ حافظ ولی محمد صاحبؒ بھی عمر کے آخری حصے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے وابستہ ہو گئے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنی فطری سعادت مندی، ذہانت و مستعدی اور ابتدائی عمر کے غیر معمولی احوال و انداز سے بہت جلد استاذ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ دس بارہ برس کی عمر میں حفظ قرآنِ مجید بھی مکمل کر لیا اور کچھ اُردو کی نوشت و خواند کی بھی استعداد پیدا ہو گئی۔ چونکہ حضرت شاہ صاحب کے دوسرے بھائی اور خاندان کے بھی متعدد نوجوان انگریزی تعلیم حاصل کر رہے تھے اور کچھ اچھے سرکاری و نیم سرکاری عہدوں اور منصبوں پر فائز تھے، اِس لیے حضرت شاہ صاحب کی ذہانت اور تعلیم سے ان کی خصوصی دل چسپی کے پیش نظر اہل خاندان کی یہی خواہش تھی کہ وہ بھی انگریزی تعلیم حاصل کریں۔ تا کہ کسی اونچے عہدہ ومنصب سے سرفراز ہو سکیں۔ لیکن ان کا اصرار عربی و مذہبی تعلیم کے لیے تھا۔ گھر میں کافی کش مکش رہی۔ اِس صورتِ حال سے حضرت شاہ صاحب بہت بے زار تھے۔ تنہائی میں جا کر روتے تھے اور اللہ سے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! یہ لوگ تیرے دین کی تعلیم میں مزاحم ہو رہے ہیں۔ انھیں سمجھ عطا کر۔ میرے حال پر رحم فرما۔ مجھے دنیا میں ان کا دست نگر نہ کر،

اے اللہ! اپنے فضل سے مجھے تو علم دین عطا فرما اور دین کے راستے سے تو مجھے ایسی سرفرازی و سربلندی عطا کر کہ اِن پر یہ بات واضح اور منکشف ہوجائے کہ علم دین حاصل کرنے والے دنیا میں بھی سربلند و سرفراز رہتے ہیں اور آخرت میں بھی۔ آخر کار لوگوں نے شکست مان لی اور اُنھیں ان کی مرضی پہ چھوڑ دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے عربی و فارسی کی کچھ کتابیں کانپور میں مولانا محمد عثمان صاحبؒ کی سرپرستی میں پڑھیں۔ شوال ۱۳۲۸ ہجری میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اس وقت ان کی عمر چودہ یا پندرہ برس کی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد فرزند حضرت نانوتویؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، سید العلماء مولانا میاں سید اصغر حسین دیوبندیؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ، مولانا حبیب الرحمن عثمانی دیوبندیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ، جامع المعقولات والمنقولات علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور مفتی اعظم مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی دیوبندیؒ جیسے علم و معرفت اور تدبر و تفقہ کے آفتاب و ماہ تاب موجود تھے۔ اِن میں کا ہر شخص علم و فضل کے اعلیٰ مناصب پر فائز ہونے کے ساتھ زہد و تقویٰ، ایثار و للّٰہیت، خداترسی و دیانت اور محبت الٰہی و اتباع سنت نبوی کا کامل نمونہ تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے ان سب سے ایک محنتی، ذہین اور علم دین کے لیے مکمل یک سو طالب علم کی حیثیت سے استفادہ کیا۔ اساتذۂ کرام اور رفقاے درس کی نگاہوں میں ان کی کیا اہمیت تھی، اِس سلسلے میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کی تحریر کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں: ’’آج سے چھپن ۵۶ سال پہلے ۱۳۳۱ ہجری میں جب احقر نے دارالعلوم دیوبند میں کافیہ وقدوری وغیرہ کے اسباق میں داخلہ لیا تو ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے ایک ذہین و فطین مگر سیدھے سادے طالب علم سے ہم سبق ہونے کی حیثیت سے تعلق قائم ہوا اور دارالعلوم کے بہت سے اسباق میں ان کے ساتھ شرکت رہی، مگر دورانِ تعلیم ہی میں ان کو اصلاح اعمال کی فکر اور ذوق عبادت حق تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ طالب علمانہ شوخیاں ان کے پاس سے ہوکر نہیں گزریں، اجتماعات سے الگ تھلگ رہنے کے عادی تھے، خوش نصیبی سے دورانِ تعلیم ہی میں ان کو سیدی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ، کی خدمت میں حاضری اور تربیت باطنی کا شرف حاصل ہوگیا۔ (ماہ نامہ البلاغ، کراچی، شوال المکرم ۱۳۸۷ھ)

زمانۂ طالب علمی میں شاہ صاحب کی کیفیت یہ تھی کہ اسباق کے دوران میں قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ میں جب کبھی ترغیب و ترہیب کا کوئی مضمون آجاتا، جنت و دوزخ کا ذکر ہوتا اور عذاب قبر اور قیامت کی بات آجاتی تو ان کا قلب بے حد متاثر ہوجاتا تھا۔ سبق ختم ہوجانے کے بعد درس گاہ سے چپ چاپ اپنے کمرے میں آجاتے اور ایک کنارے بیٹھ کر کافی دیر تک خاموش بیٹھے رہتے۔ ان کے دوسرے ہم کمرہ ساتھی

ان کی اس روش پر خندہ زن ہوتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں کھانا حاصل کرنے کے لیے لائن لگانی پڑتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کو اس میں تضیع وقت کا احساس ہوتا تھا، چناں چہ انھوں نے پورے کھانے کی بہ جائے صرف ایک روٹی کی منظوری کرالی تھی، جس وقت بھی وہ پہنچتے تھے روٹی مل جاتی تھی، اس ایک روٹی کو وہ کبھی گڑ سے کبھی نمک سے کھا کر درسی کتب بینی یا ذکر وفکر میں مشغول ہو جاتے تھے۔ پورا زمانۂ طالب علمی انھوں نے اسی طرح گزارا۔

دارالعلوم دیوبند میں شاہ صاحب ۱۳۲۸ھ سے ۱۳۳۶ھ تک رہے۔ ۱۳۳۶ میں وہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد خانقاہِ تھانہ بھون سے یک سوئی کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ زمانۂ طالب علمی میں کچھ دنوں حضرت شیخ الہندؒ سے بھی وابستہ رہے ۱۹۱۰ء میں ان کی وفات کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دامن گرفتہ ہوئے۔ پھر انھی کے ہو کر رہ گئے۔ طویل عرصے تک خانقاہِ تھانہ بھون میں مقیم رہے۔ خانقاہ کے اصول اور مزاج کے مطابق حصول تربیت وتزکیہ میں لگے رہے۔ قناعت، توکل اور نسبت مع اللہ کی جو دولت اُنھیں حاصل تھی، وہ کسی اور کے ہاں کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ تھانہ بھون کے قیام کے دوران میں شاہ صاحب نے اپنے مرشد کی خصوصی توجہ سے تربیت بھی حاصل کی اور ان کے علمی کاموں میں بھی تعاون فرمایا۔ حضرت تھانویؒ کی کتب حیاۃ المسلمین اور تربیت السالک کی تسوید حضرت شاہ صاحب نے ہی فرمائی ہے۔ حضرت تھانوی کی شہرۂ آفاق تفسیر ''بیان القرآن'' کی تسہیل بھی انھی کے ذریعے سے ہوئی ہے۔ یہ مرشد تھانویؒ کے غیر معمولی علمی اعتماد کی بات ہے کہ اُنھوں نے ایک ایسے شخص سے اپنے علمی کام میں تعاون لیا، جو ابھی ابھی مدرسے کی دنیا سے نکل کر آیا ہے اور تصنیف وتالیف کی دنیا میں اس کی کوئی شناخت نہیں ہے۔ شاہ صاحب کے کسی تذکرہ نگار نے مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کی کسی تحریر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک بار حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کچھ خاص محبت وکیفیت کے ساتھ اور اپنے عام مزاج اور معمول سے ہٹ کر تحسین آمیز انداز میں مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری کا تذکرہ فرمایا۔ پھر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سے دریافت فرمایا: کیا آپ ان سے واقف ہیں؟ مفتی صاحب کہتے ہیں کہ چوں کہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب میرے ہم درس رہے ہیں، میں طالبِ علمی اور تھانہ بھون کے قیام کے زمانے سے ان سے واقف تھا، ان سے بے حد متاثر بھی تھا اور اُن کی شخصیت میرے لیے قابل رشک بھی تھی، اس لیے میری زبان پر برجستہ یہ شعر آ گیا۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
اُو بہ صحرا رفت و ما در کوچہ ہا رُسوا شدیم

مفتی صاحب فرماتے ہیں: ''میرے اس جواب پر حضرت تھانویؒ نے خاص کیفیت سے فرمایا: جی ہاں! یہاں کا یہی دستور ہے۔ کسی کو صحرا دیا جاتا ہے اور کسی کو سہرا دیا جاتا ہے۔ ہر ایک کو جو عطا ہو، اُسے اسی پر راضی رہنا چاہیے۔ جنھیں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے، ان کی مجلسوں کی روداد یں اور ان کے ملفوظات و بیانات کو پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، انھیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تعلیم و تربیت کے سلسلے میں مولانا کا ایک مخصوص مزاج و انداز اور طریقہ تھا۔ وہ اسی کے مطابق اپنے مریدین اور منتسبین کی تربیت فرماتے تھے۔ اس کے بہت واضح فوائد بھی سامنے آتے تھے۔ شاہ وصی اللہ فتح پوری مولانا کے نہایت چہیتے اور محبوب مرید تھے۔

خانقاہ کے قیام کے دوران میں مولانا نے انھیں بھی انھی مراحل سے گزارا، جن کے لیے وہ مشہور تھے۔ شاہ صاحب کو سخت سے سخت مراحل سے گزرنا پڑا۔ لیکن شاہ صاحب نے ہر مرحلے میں کام یابی و سرخ روئی حاصل کی۔ ایک بار عید کا موقع تھا۔ مولانا تھانویؒ نے اُن سے فرمایا: ''آپ کہیں نہیں جائیں گے۔ آپ کے لیے یہیں کھانا آئے گا۔ شاہ صاحب نے کہا بہتر ہے۔ لیکن تھوڑی دیر میں خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ تشریف لائے۔ قریب ہی کسی ڈپٹی صاحب کے ہاں جانے کی بات کی اور وہاں کھانے پینے کا تذکرہ کیا۔ شاہ صاحب جانے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ فرمایا: حضرت نے روکا ہے، مجھے یہیں رہنا ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا: حضرت کے آنے میں ابھی دیر ہے، ہم اس سے بہت پہلے لوٹ آئیں گے۔ چناں چہ شاہ صاحب خواجہ صاحب کی باتوں میں آ کر ان کے ہم راہ چلے گئے۔ لیکن ابھی وہ گئے ہی تھے کہ حضرت تھانویؒ خود طباق میں کھانا لے کر آ گئے۔ دیکھا وہ موجود نہیں ہیں، لیکن اِسی دوران میں شاہ صاحب بھی واپس آ گئے۔ حضرت تھانویؒ نے دریافت فرمایا: کہاں گئے تھے؟ اُنھوں نے کہا: حضرت! میں خواجہ صاحب کے ہم راہ چلا گیا تھا۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا: جب میں نے منع کیا تھا کہ کہیں مت جانا تو کیوں گئے؟ انھوں نے معذرت چاہی، حضرت تھانوی خاموشی سے کھانا رکھ کر چلے گئے۔ بس وہ کھانا شاہ صاحب کے لیے زہر بن گیا۔ انھوں نے کھائے بغیر اُسے رکھ دیا۔ زبان باہر نکالی، اُسے کھینچا اور یہ کہہ کر زور سے چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے کہ اِسی کی وجہ سے یہ دن دیکھنے پڑے۔ جب مرشد تھانویؒ کی طرف سے معافی کا اظہار ہوا، تب انھیں سکون ہوا۔

مخدومی حضرت مولانا شاہ قمر الزماں الٰہ آبادی نے کسی موقع پر فرمایا تھا کہ ایک بار مرشد تھانویؒ نے کسی بات پر ناراض ہو کر اُنھیں حکم دیا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ شاہ صاحب مرشد کے حکم کی تعمیل میں خانقاہ سے نکل پڑے۔ ریل کی پٹری پکڑ کر پیدل ہی دلّی کے لیے روانہ ہو گئے۔ اِدھر مرشد تھانویؒ کو فکر ہوئی تو انھوں نے تلاش شروع کی، لالٹین لیکر پورے تھانہ بھون اور مضافات کے کنوؤں میں بھی دیکھا، کہیں نہ ملے، بے حد فکر مند

رہے۔ ایک دو دن کے بعد دلّی کے ایک حکیم صاحب کا سفارشی خط لے کر واپس ہوئے تو مرشد نے اُنھیں زانو پر لٹا کر کافی دیر تک پنکھا جھلا۔ اِس واقعے کے چند دنوں بعد مرشد تھانویؒ نے اُنھیں اجازت بیعت وارشاد مرحمت فرمادی۔ مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ عنہ خانقاہِ تھانہ بھون کی تربیت کو ہی اپنے لیے سب کچھ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے ان سے ان کی تعلیم سے متعلق دریافت فرمایا تو تحریر فرمایا: ''محترمی! اس کے سوا میں کیا کہوں کہ میرے پاس علم وتربیت کے نام سے جو کچھ بھی ہے، وہ سب فیضان تھانہ بھون کا ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں تو بس حروف شناسی ہوئی ہے۔'' شاہ صاحب کی پوری زندگی، صبرواستقامت اور قناعت وتوکل سے عبارت تھی۔ تقویٰ طہارت اور پاکیزگی نفس کو ان کی زندگی میں خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ قناعت وتوکل پر زیادہ زور دیتے تھے۔ ان کی زندگی میں بھی اس کے مظاہر زیادہ دیکھنے کو ملتے ہیں۔ انھوں نے اپنے وطن کی ساری زمین جائداد اہل خاندان کے حوالے کردی۔ اپنا کوئی حصہ نہیں لیا۔ اِس کے صلے میں اللہ تعالیٰ ان کی غیب سے ایسی مدد کی کہ علاقے کے لوگ حیرت کرتے ہیں۔ اپنے متعلقین ومنتسبین کی بھی مسلسل مدد کرتے رہتے تھے۔ علامہ ابوالمجاہد زاہدؒ نے ایک سے زائد بار بتایا کہ ایک بار وہ اور جماعت اسلامی ہند حلقہ یوپی کے سکریٹری مولانا عبدالغفار ندویؒ محض زیارت اور کسب فیض کے لیے لکھنؤ سے ان کی خدمت میں الہ آباد حاضر ہوئے۔ دونوں بیٹھے ہوئے اپنے حالات سنا رہے تھے اور حضرت شاہ صاحب سے ان کا جواب سن رہے تھے کہ اسی دوران میں کہیں سے رقم کی صورت میں کچھ ہدیہ آیا، شاہ صاحب نے اُسے لے کر رکھ لیا۔ اس شخص کے چلے جانے کے بعد کسی خادم کے ذریعے سے ایک شخص کو بلوایا اور وہ پوری رقم اس کے حوالے کردی اور دریافت فرمایا: 'اب تمھاری ضرورت پوری ہوجائے گی'؟ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور سلام کر کے چلا گیا۔ چند منٹ کے بعد ڈاک کے ذریعے سے ایک رقم وصول ہوئی۔ دور کھڑے ایک شخص کو طلب فرمایا۔ وہ آیا تو پوچھا تم نے کل کتنے کی ضرورت بتائی تھی؟ اس نے کچھ بتایا، شاہ صاحب نے پوری رقم اسے دی اور فرمایا لو یہ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہے۔ محنت سے کام کرو نماز جماعت میں کوتاہی نہ کیا کرو۔ توکل کے سلسلے میں فارسی کا یہ شعر وہ اکثر پڑھا کرتے تھے؟ ؎

تکیہ برتقویٰ ودانش در طریقت کافری
ستراہ رو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

خانقاہِ تھانہ بھون سے بیعت وارشاد کی اجازت مل جانے کے بعد شاہ صاحب نے پوری عمر ملت کی اصلاح وراہ نمائی، رشد وہدایت اور سماج یا معاشرے کے اندر سے بدعت وضلالت اور کفریہ وشرکیہ افعال واعمال کو ختم

کرنے کے لیے وقف کردی۔ کچھ دنوں اپنے وطن فتح پور میں قیام فرمایا۔ وہاں نامساعد حالات دیکھے تو گورکھ پور میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد الہ آباد تشریف لائے۔ الہ آباد سے علم وعرفان اور اصلاح وہدایت کا ایسا سلسلہ چلا کہ دنیا کے ایک بڑے حصے تک ان کا فیض پہنچ گیا۔ اس عہد کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور کسب فیض کرتے تھے۔

شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ محمد احمد پھول پوریؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی (مہتمم دارالعلوم دیوبند،) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ، حضرت مولانا ابواللیث ندویؒ (امیر جماعت اسلامی ہند) اور حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ کو سب سے پہلے میں نے خانقاہِ وصی اللّٰہی میں ہی دیکھا۔ ان کی مجلس میں کسی مسلک یا نقطۂ نظر کے فرق وامتیاز کے بغیر ہر ایک کو رسائی و پزیرائی حاصل تھی۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و بزرگی اور غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ علامہ ابراہیم بلیاویؒ جو کہ اپنے زمانے کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے، اس عہد کے بڑے بڑے علما کو ان سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے، خود حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے ان کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا ہے، وہ خود شاہ صاحب کے مرید ہوئے، اور اپنی روحانی و باطنی اصلاح کے لیے انہی کو منتخب کیا۔ کسی استاذ کی اپنے شاگرد کے سامنے زانوے تربیت تہ کرنے کی مثال شاذ ونادر ہی ملے گی۔ وہ بھی علامہ ابراہیم بلیاویؒ جیسا یگانۂ عصر استاذ۔

نومبر ۱۹۶۷ء میں حضرت شاہ صاحب نے سفر حج میں ہی داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ لیکن انھوں نے ذہن وفکر کو منور کرنے والی جو تصانیف چھوڑی ہیں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں تربیت وتزکیہ اور رشد وہدایت کا جو سلسلہ چلایا تھا، وہ اب بھی جاری وساری ہے۔ محترم قاری شاہ محمد مبین صاحب اور حضرت مولانا شاہ قمر الزماں الہ آبادی اور دوسرے بے شمار تربیت یافتگان اس کے علم برداروں میں ہیں۔ ان شاء اللہ یہ سلسلہ تادیر جاری رہے گا۔

افاداتِ اکابر

محبّتِ الٰہیہ کے اسباب

افادات: عارف باللہ حضرت مولانا محمد سلیم دھورات صاحب مدظلہ العالی
بانی وشیخ الحدیث اسلامک دعوہ اکیڈمی، لیسٹر، یو کے

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ہماری انفرادی اور اجتماعی کامیابی پورے دین میں رکھی ہے اور دین کے کل پانچ شعبے ہیں؛ عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور حسن اخلاق۔ اگر کوئی شخص انفرادی حیثیت سے پورے دین پر عمل کرے گا تو اسے انفرادی کامیابی ملے گی اور اگر ہم بحیثیت اُمّت پورے دین پر عمل پیرا ہوں گے تو ہمیں اجتماعی کامیابی ملے گی، آج ہماری انفرادی اور اجتماعی ناکامی کی وجہ یہی ہے کہ ہم پورے دین پر عامل نہیں ہیں، بعض تو وہ ہیں جو شریعت پر بالکل عمل نہیں کرتے اور بہت سے وہ ہیں جو جزوی طور پر دین پر عمل کرتے ہیں، پورے دین پر عامل نہیں ہیں۔

حج بھی کعبہ کا کیا اور گنگا کا اشنان بھی
خوش رہے رحمٰن بھی، راضی رہے شیطان بھی

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کامل مسلمان تھے، وہ ان پانچوں شعبوں پر پوری طرح عامل تھے، وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی مانتے تھے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بھی مانتے تھے، اس وجہ سے وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے کامیاب ہوئے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اگر ہم اپنی زندگی میں پورے دین کو لانا چاہتے ہیں تو اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے منوّر کرلیں اس لئے کہ یہ مسلّم قاعدہ ہے **إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ** بیشک محبت کرنے والا اپنے محبوب کا فرماں بردار ہوتا ہے۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے اور بڑھانے کے لئے

چند اسباب ہیں جن کو اختصار کے ساتھ ذکر کرنا چاہتا ہوں، امید ہے کہ اگر ہم ان کو اپنائیں گے تو ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہوگی اور اس کی برکت سے پورے دین پر عمل کرنا آسان ہوجائے گا۔

(۱) کمال میں غور کرنا:

یہ انسانی فطرت ہے کہ صاحبِ کمال کے لئے دل میں جگہ پیدا ہوتی ہے، دنیا بھر میں مختلف میدانوں میں ماہرین تو بہت ہیں لیکن لوگوں میں محبوب وہی ہوتے ہیں جو اپنی مہارت میں کمال کے درجے تک پہنچتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات تو جامع الکمالات ہے، کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کے کمالات پر شاہد ہے، انسانوں میں بھی ہمیں جتنے کمالات نظر آتے ہیں وہ اللہ کے کمال کا پرتو ہے اس لئے کہ ہر ایک کا کمال اللہ کا عطا کیا ہوا ہے۔

(۲) جمال میں غور کرنا:

خوبصورتی اور جمال بھی دل کو کھینچتی ہے، اللہ تعالیٰ چونکہ ہمیں نظر نہیں آتے اس لئے ہم اللہ کے جمال کو تو نہیں دیکھ سکتے لیکن اللہ نے کائنات میں حسین وجمیل مناظر ہر جگہ رکھے ہیں جن کا ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں، کہیں اونچے اونچے دل کش پہاڑ ہیں، کہیں خوبصورت درخت اور پھول ہیں، کہیں دل ربا آبشارے اور چشمے ہیں وغیرہ وغیرہ، حسن و جمال کے ان مناظر کو دیکھ کر ان کو پیدا کرنے والے کے حسن و جمال کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ کائنات کے ذرّے ذرّے میں جمال اور کمال دونوں موجود ہیں، پس کمال و جمال کے ان مظاہر کو دیکھ کر دل و دماغ میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کرنی ہے کہ جب مخلوق میں اتنا کمال و جمال ہے تو خالق میں کتنا کمال و جمال ہوگا، اس سے ان شاء اللہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی اور اگر پہلے سے ہے تو بڑھے گی، ہماری غلطی یہ ہوتی ہے کہ ہم مخلوق کے کمال اور جمال کو دیکھ کر اسی میں محو ہو کر رہ جاتے ہیں، یہ غور نہیں کرتے کہ یہ کمال و جمال کس نے دیا ہے، اس کے پیچھے کس کی قدرت کار فرما ہے، اگر ہم اس کا اہتمام کریں گے تو ان شاء اللہ ہر وقت ذہن میں اللہ رہے گا، اللہ تعالیٰ کے کمال و جمال کا استحضار نصیب ہوگا اور دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہوگا۔

ترا آئینہ عالم رنگ و بو ہے
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ہمیں جگہ جگہ مخلوقات میں غور کرنے کی دعوت دی ہے، چنانچہ سورۂ

غاشیہ میں فرمایا: اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ کیا پھر وہ نہیں دیکھتے اونٹوں کی طرف کہ انہیں کیسے بنایا کیا گیا؟ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ اور آسمان کی طرف کہ اسے کس طرح بلند کیا گیا؟ وَاِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کس طرح گاڑا گیا ؟ وَاِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ اور زمین کی طرف کہ اسے کیسے بچھایا گیا؟

(۳) نوال یعنی احسان پر غور کرنا:

اللہ نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ اس کے دل میں مُحسن کی محبت پیدا ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ تو مُحسنِ اعظم ہیں، ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی دین ہے

تیرے کرم سے اے کریم! کون سی شے ملی نہیں
جھولی ہی میری تنگ ہے، تیرے یہاں کمی نہیں

یہ پوری دنیا اور اس کا پورا نظام اللہ تعالیٰ شانہ ہمارے لئے چلا رہے ہیں، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ زمیں میرے لئے یہ آسماں میرے لئے
چل رہا ہے دیر سے یہ کارواں میرے لئے

ہمیں روزانہ کچھ وقت نکال کر تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے مختلف احسانات پر غور کرنا چاہئے، اس کی برکت سے آہستہ آہستہ اللہ کی محبت پیدا ہوگی اور اگر پہلے سے محبت ہے تو وہ بڑھتی چلی جائے گی اور دل اللہ کی محبت سے سرشار ہو جائے گا۔

(۴) ذکر اللہ کی کثرت:

ذکر اللہ کی کثرت سے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبت اترتی ہے اور غفلت دور ہوتی ہے، شاعر کہتا ہے ؎

یاد کر بس یاد کر بس یاد کر
غفلت اس کی یاد سے برباد کر

جتنے عشّاق گزرے ہیں ان کی زندگیوں میں ایک چیز جو قدرِ مشترک نظر آتی ہے وہ کثرتِ ذکر ہے، حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ روزانہ صبح کے اعمال سے فارغ ہونے کے بعد بارہ تسبیح پوری کرکے ستّر ہزار (۷۰۰۰۰) ہزار مرتبہ اسمِ ذات کا ذکر کرتے تھے۔

(سوانح حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن صاحب: ۱/ ۲۲۳)

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم جو ایک پولیس افسر تھے، وہ روزانہ اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) مرتبہ اسمِ ذات کا ذکر کرتے تھے۔ (امام العصر علامہ کشمیری اور جامعہ ڈابھیل ص ۱۲۴)

دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ روزانہ سوا لاکھ مرتبہ اسم ذات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ (اکابرِ دیوبند کیا تھے؟ ص ۷۱) اس کثرتِ ذکر سے کیفیت یہ ہوجاتی ہے ؎

میرا دل مچل رہا ہے تیری یاد میں الٰہی
تیرے نام نے تو دل میں اک آگ ہے لگائی
میری زندگی کا حاصل تیری یاد بن گئی ہے
تیرے وصل کی تمنا میرے دل میں ہے سمائی

(۵) صحبتِ صالحین:

دل میں اللہ کی محبت پیدا کرنے کے لئے صحبتِ صالحین بھی بہت زیادہ مؤثر ہے ؎

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تنہا نہ چل سکیں گے محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں، آپ مرے ساتھ آیئے

صالحین و متقین وہ لوگ ہیں جن کی زندگی میں پورا دین ہو، ان کو صادقین بھی کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ**۔ یہی لوگ صادقین ہیں اور یہی متقین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے کا حکم فرمایا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ**۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر یوں فرماتے ہیں: خَالِطُوهُمْ لِتَكُونُوا مِثْلَهُمْ (روح المعانی: ۱۰ / ۵۸۸) تم ان کے ساتھ گھل مل جاؤ تاکہ تم ان جیسے ہوجاؤ۔ حضرت شاہ حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کسی اہلِ دل کی صحبت جو ملی کسی کو اختر
اسے آگیا ہے جینا اسے آگیا ہے مرنا
مجھے کچھ خبر نہیں تھی تیرا درد کیا ہے یارب!
تیرے عاشقوں سے سیکھا تیرے سنگِ در پہ مرنا

حضرت شاہ حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مٹھائی ملتی ہے مٹھائی والوں کے پاس، کباب ملتا ہے کباب والوں کے پاس، کپڑا ملتا ہے کپڑے والوں کے پاس، آم ملتا ہے آم والوں کے پاس، اسی طرح اللہ ملتا ہے اللہ والوں کے پاس۔(مواعظِ دردِ محبت، وعظ قلب سلیم، ص۸) اکبر الہٰ آبادی نے کہا ہے:

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

علامہ اقبال کا مشہور شعر ہے:

تمنا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

ایک شاعر کہتا ہے ؎

مجھے دردِ دل ملا ہے سن لو اے دنیا والو!
میں غریب بے نوا ہوں مجھے مل گئی ہے شاہی
تیرا در تو تیرا در ہے، تیرے در کے ایک گدا نے
دنیائے دوں کی عظمت، میرے دل سے ہے مٹائی

اس لئے اگر ہم دل کو اللہ کی محبت سے منور کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان لوگوں کی صحبت میں بکثرت جانا پڑے گا جن کے دلوں میں اللہ کی محبت ہے، اگر ہم کسی سے بیعت ہیں تو ہمیں اپنے شیخ کی صحبت کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہئے، ساتھ ساتھ اپنی روزمرہ کی زندگی میں بری صحبت سے ہر حال میں بچ کر دین دار لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھنا چاہئے۔

(۶) مجاہدہ:

جب بندہ اپنے نفس پر بوجھ ڈال کر طاعات کو بجالاتا ہے اور گناہوں سے بچتا ہے تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل کو اپنی محبت سے منور کرتا ہے جس کی وجہ سے شریعت کی پابندی آسان ہوجاتی ہے، جو کام پہلے مشکل لگتا تھا وہ اب آسان معلوم ہوتا ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ ذراسی بات جو تصوف کا خلاصہ ہے یہ ہے کہ جب نفس اللہ کی کسی فرماں برداری میں سستی کرے تو اسے اس فرماں برداری پر مجبور کرنا اور جب کسی گناہ سے بچنے میں سستی کرے تو اسے اس گناہ سے بچنے پر مجبور کرنا، جس کو یہ چیز

حاصل ہوجائے اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے کہ اسی سے تعلق مع اللہ نصیب ہوتا ہے، اسی سے تعلق مع اللہ کی حفاظت ہوتی ہے اور اسی سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہوتی ہے۔(بصائرِ حکیم الاُمّت،ص۹۹) یہاں کسی کو سوال ہوسکتا ہے کہ شروع میں یہ کہا گیا تھا کہ دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوگی تو زندگی میں اطاعت آئے گی جب کہ یہاں یہ کہا جارہا ہے کہ زندگی میں اطاعت ہوگی تو دل میں محبت پیدا ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ اطاعت و محبت لازم وملزوم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو فطری طور پر ابتدائی درجے کی اطاعت کی صلاحیت دی ہے جو قلّت محبت کے ساتھ یا بغیر محبت کے بھی کرسکتا ہے، اس کی برکت سے دل میں محبت پیدا ہوگی یا بڑھے گی جس کی وجہ سے اطاعت بڑھے گی اور جب اطاعت بڑھے گی تو محبت بڑھے گی اور محبت بڑھے گی تو اطاعت بڑھے گی یہاں تک کہ زندگی میں آہستہ آہستہ پوری شریعت آجائے گی، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری خاطر مجاہدہ کیا، ہم ان کی ہمارے راستوں کی طرف ضرور رہنمائی کریں گے۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ اور میرا بندہ میرا تقرّب کسی ایسی چیز سے حاصل نہیں کرتا جو میرے نزدیک زیادہ محبوب ہو ان چیزوں سے جو میں نے اس پر لازم کی ہیں، اور میرا بندہ (ان لازم چیزوں کے اہتمام کے ساتھ) نوافل کے ذریعے برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں۔فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَأُعِيذَنَّهُ(صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب التواضع، ح(۶۵۱۰)) پس جب میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں ضرور اس کو عطا کروں گا اور اگر وہ میری پناہ مانگے گا تو میں ضرور اس کو پناہ دوں گا۔

آیتِ کریمہ اور حدیث قدسی دونوں کے مضمون سے پتا چلتا ہے کہ جو شخص طاعت کا مجاہدہ کرتا ہے وہ اللہ کا محبّ اور محبوب دونوں بن جاتا ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی انگلی پکڑ کر اس کو شریعت پر چلاتے ہیں۔

(۷) دعاء:

جس طرح ہم اللہ تعالیٰ سے اپنی دنیوی حاجتیں مانگتے ہیں اور بہت سی دینی چیزیں بھی مانگتے ہیں، اسی

طرح ہمیں اللہ سے اس کی محبت بھی مانگنی چاہئے۔سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مناجات میں عرض کرتے تھے۔

کوئی تجھ سے کچھ کوئی کچھ چاہتا ہے
میں تجھ سے ہوں یا رب طلب گار تیرا

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: **اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَسْأَلُك حُبَّك، وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّك، وَالْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِي حُبَّك** (سنن الترمذی، أبواب الدعوات، ح(۳۸۱۶)) اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت مانگتا ہوں اور ان لوگوں کی محبت جو آپ سے محبت کرتے ہیں اور اس عمل کی توفیق ورغبت جو مجھے آپ کی محبت تک پہنچا دے۔نیز یہ دعا بھی مانگتے تھے: **اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّك، وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي حُبُّهُ عِنْدَك** (سنن الترمذی، أبواب الدعوات، ح(۳۸۱۷)) اے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا فرما اور اس شخص کی محبت عطا فرما جس کی محبت تیرے نزدیک نفع بخش ہے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ دعائیں بھی منقول ہیں: **اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّك أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيَّ** (حلیۃ الأولیاء: ۸/ ۲۸۲) اے اللہ! اپنی محبت کو میرے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ محبوب بنا دے۔**اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّك أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَأَهْلِي وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ** (سنن الترمذی، أبواب الدعوات، ح(۳۸۱۶)) اے اللہ! میرے نزدیک اپنی محبت میری جان، بیوی بچے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنا دے۔

محبت الٰہیہ کے یہ سات اسباب ہوئے، ان کو اختیار کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے منور ہوگا اور جس خوش بخت انسان کو یہ دولت مل گئی اسے سب کچھ مل گیا حتی کہ غم اور پریشانی کے احوال میں بھی وہ خوش اور مطمئن رہے گا۔

زندگی پر کیف پائی گرچہ دل پُر غم رہا
ان کے غم کے فیض سے میں غم میں بھی بے غم رہا

اللہ تعالیٰ ہمیں ان اسباب کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ان کی برکت سے ہمیں اپنی محبت نصیب فرمائیں۔(آمین)

(بقیہ صفحہ: ۴۸ سے)۔۔۔۔ یا کہیں اور سے ایسا اطمینان ہے کہ بروقت قرض خواہ کو اس کی رقم واپس کی جاسکتی ہے، ایسا تو ٹھیک ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو موجود پر قناعت کر لینا چاہیے، اس لیے کہ قرض کا جو پریشر ہوتا ہے وہ صحتِ جسمانی کو بھی برباد کر دیتا ہے، اور عبادتوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے، آدمی سکون سے محروم ہو جاتا ہے۔

افاداتِ اکابر

اشرف المجالس

ترتیب وپیش کش: مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی*

مخدومنا ومحبوبنا حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی ہر جمعہ بعد نمازِ عصر ہفتہ واری اصلاحی مجلس میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ”منتخب ملفوظات“ (مرتبہ حضرت مولانا یحییٰ نعمانی زید مجدہٗ) کی کچھ توضیح وتشریح کے ساتھ تعلیم فرماتے ہیں، اُن ملفوظات کو قارئینِ اشرف الجرائد وعامۂ مسلمین کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔

ازمرتب

(۶۱) مناسبت بالارواح کی عجیب برکت

ارشاد فرمایا:۔حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں: ”کہ جب انسان کو عالمِ ارواح سے مناسبت ہوجاتی ہے تو وہ زمان ومکان کے ساتھ زیادہ مقید نہیں رہتا، اس کے کام میں برکت ہونے لگتی ہے، یہ حضراتِ متقدمین (یعنی پہلے زمانے کے اولیاء) ایسے ہی تھے، اور اس برکت میں زیادہ دخل تقویٰ کو ہے، حضرت حاجی صاحبؒ کے اس ملفوظ میں تھوڑی گہری بات ہے، مگر یہ ایک حقیقت ہے جو ایک بڑے تجربہ کار مربّی اور چاروں سلسلوں میں باقاعدہ ریاضت ومجاہدات اور اسباق سے فارغ ہونے والی شخصیت نے بیان کی ہے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آج کل کے مشائخ کی طرح نہیں تھے، بلکہ انہوں نے الگ الگ سلسلے میں الگ الگ بیعت کر کے باقاعدہ تربیت کا نصاب مکمل کیا، اِس لئے آپ تصوف کی دنیا کے محقق تھے، وہ فرماتے ہیں: جب انسان کو عالمِ ارواح سے مناسبت ہوجاتی ہے، تو وہ زمان ومکان کے ساتھ زیادہ مقید نہیں رہتا، اس کے کام میں وقت میں برکت ہونے لگتی ہے، یہ حضراتِ متقدمین یعنی مشائخِ پیشین جو پہلے اہلِ حق اہل اللہ گزرے ہیں وہ سب ایسے ہی لوگ تھے، اور اس برکت میں زیادہ دخل تقویٰ کو ہے“، یعنی مناسبت بالارواح تو تقویٰ ہی سے ہوگی؛ عالمِ ارواح ایک لطیف عالم ہے، اور گناہ اور معصیت کثافت سے بھرے ہوئے ہیں؛ لہذا جب ہماری روح میں کثافت ہوگی تو ہم لطافت تک ترقی نہیں کر سکتے، کثافت کا مزاج پستی کا ہے، اور لطافت کا مزاج تعلّی اور بلندی کا ہے، جیسے سمندر کا پانی جب سورج کھینچتا ہے تو کثافت سمندر ہی میں رہ جاتی ہے، صرف لطافت اوپر جاتی

ہے، یعنی پانی میں جو نمک ہے وہ سب نیچے رہ جاتا ہے، وہ نہیں جا پاتا؛ کیونکہ وہ وزن ہے، وہ اوپر جا ہی نہیں پاتا، اس لیے وہ گر جاتا ہے، راستے ہی میں سے ختم ہو جاتا ہے، اور صرف پانی جاتا ہے، **معلوم ہوا کہ لطیف شے عالمِ بالا کی سیر کر سکتی ہے جب روح میں لطافت نہ ہو، وہ گناہوں کی وجہ سے کثیف اور بھاری ہو گئی ہو تو کہاں سے ترقی کرے گی، وہ تو نہیں کر سکتی۔**

(۶۲) ظاہر و باطن کی یکسانیت اہلِ اخلاص کی علامت ہے

ارشاد فرمایا:۔حضرت تھانویؒ نے اپنے بارے میں فرمایا: ''میں اپنی کھلی ہوئی حالت رکھتا ہوں؛ تا کہ کسی کو دھوکا نہ ہو، دھوکہ بازی سے مجھ کو سخت نفرت ہے؛ حتیٰ کہ گناہوں کی نفرت سے بھی بڑھ کر نفرت ہے، پس ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہیے، یہ سادگی اور بے تکلفی کی بات ہے، کوئی بناوٹ نہیں ہے، اپنے آپ کو جیسا کچھ بھی ہوں اس سے بہتر دکھانے کی کوئی فکر نہیں''۔ ہر آدمی چاہتا ہے کہ وہ جیسا ہے دوسروں کو اس سے اچھا اور بہتر نظر آئے، یہ چیز سلوک میں نہیں چلتی، آدمی اپنی اصلاح نہیں کر پاتا تاوقتیکہ اس کیفیت سے نفرت نہ ہو جائے، حضرت تھانویؒ فرما رہے ہیں: کہ گناہوں سے جتنی نفرت ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ نفرت اس سے ہے کہ میں جتنا ہوں اس سے اچھا نظر آؤں، اس لیے فرمایا: میں اپنی حالت کو کھلی رکھتا ہوں، بس جیسا ہوں سب کے سامنے ویسا ہوں، کم نہ زیادہ، میں اس بات کا اہتمام کرتا ہوں؛ تا کہ کسی کو دھوکا نہ ہو، اس لیے کہ جب بناوٹ سے ہم بڑے بزرگ نظر آئیں گے، جب کہ حقیقت میں نہیں ہوں گے، تو لوگ دھوکہ کھائیں گے، تو یہ دھوکہ دینا ہے، اور ظاہر و باطن میں یکسانیت نہ ہونا، اور اس کا اہتمام کرنا کہ لوگ ہمیں زیادہ اچھا سمجھیں، اِس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مجھے تو اس سے نفرت ہو گئی ہے، اور گناہوں سے جتنی نفرت ہے اس سے بھی بڑھ کر مجھے اس منافقت اور بناوٹ سجاوٹ سے نفرت ہو گئی ہے، کیوں کہ ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہیے، اسی کو ''صدق'' کہا جاتا ہے، ''صدق'' کی تعریف میں یہ بات بار بار آپ لوگ سن چکے ہیں، اسی لیے مسنون و ماثور دعاؤں میں یہ دعا بھی ہے، **اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْراً مِّنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَة**، (ترمذی:3956) اے اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنایئے، عام طور سے ہمارا ظاہر باطن سے بہتر ہوتا ہے، باطن کا وہ مرتبہ نہیں ہوتا جو ہم نے ظاہر میں اپنے قول و فعل، وضع قطع اور رہن سہن سے بنا رکھا ہے، یعنی حضور علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے عمدہ بنایئے، **خَيْراً مِّنْ عَلَانِيَتِيْ**، یعنی لوگ ہمیں بہ ظاہر جتنا دین دار، بزرگ، متقی دیکھ رہے ہوں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت و تعلق کی جو اندرونی حالت ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہو، اور جو ظاہر ہے وہ بھی نیک ہو، **وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَة**، یعنی یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ آدمی باطن کی خوبیوں کو

چھپانے کے لیے ظاہر کو خراب کرے؛ جیسے کبھی صوفیا کا ایک فرقہ ہوا کرتا تھا، جو ''ملامتیہ'' کہلایا جاتا تھا، وہ بہت اعلیٰ درجے کے لوگ ہوتے تھے، لیکن کام ایسے کرتے تھے جس سے لوگ ان کو عوام میں سے سمجھیں، یا فاسق وفاجر سمجھیں، اوران کی حقیقت کھلنے نہ پائے، یہ اُن لوگوں کی تحقیق کی خطا تھی، اس لئے کہ یہ سنت کے خلاف ہے، سنت میں کیا کہا جارہا ہے، وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِي صَالِحَةً، ظاہر کو بہتر رکھو؛ اس لئے اس زبردستی کی بھی کوئی ضرورت نہیں، حضرت تھانویؒ جیسے اپنا حال بتارہے ہیں کہ اپنے آپ کو جیسا ہے ویسا رکھتا ہوں، بگاڑنے کی بھی ضرورت نہیں، ایسا ہونا چاہیے، اچھے ہیں تو اچھے ہی رہو، کسی کو دکھانا تھوڑا ہی ہے، ظاہر کو بھی بہتر ہی رکھو؛ لیکن باطن کو ظاہر سے بہتر رکھنے کی فکر کرو، باطن بھی خراب نہیں ہونا چاہیے، ظاہر بھی خراب نہیں ہونا چاہیے، کیوں خواہ مخواہ کوئی ہم سے بدگمانی کر کے ہم کو غلط آدمی سمجھے، ایسا بھی نہ ہو، مخلوقِ خدا کی نظر میں ذلیل نہیں ہونا چاہیے، اُن کی نظر میں عزت پانے کے قابل ہونا چاہیے۔

(۶۳) تارک الدنیا بنو متروک الدنیا نہ بنو۔

ارشاد فرمایا: حضرت تھانویؒ ہی نے خواجہ صاحب کے ایک مشورے پر فرمایا تھا: ''تارک الدنیا'' تو بنو، ''متروک الدنیا'' مت بنو، حضرت تھانویؒ نے یہ بات خواجہ صاحب سے اُس وقت فرمائی تھی جب انہوں نے پوچھا تھا کہ ایک امتحان دینے سے تنخواہ میں اضافہ ہوجائے گا، گریڈ بھی بڑھ جائے گا، گھر والے بھی کہہ رہے ہیں کہ دے لیجیے، اچھا رہے گا لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ جو تنخواہ اب مل رہی ہے، اور جو عزت اب ہے وہ بھی بہت ہے، ماشاءاللہ، مزید کیوں حرص کروں؟ ایسا میں سوچ رہا ہوں، آپ فیصلہ کیجیے کہ کیا بہتر ہے، حضرت نے فرمایا: کہ امتحان دے لو، اور تنخواہ بڑھا لو، پیسوں کی ضرورت نہیں ہے تو خیر خیرات کرو، کچھ بھی کرو، لیکن اگر گریڈ بڑھ رہا ہے تو بڑھا لو، اس پر فرمایا کہ خواجہ صاحب! تارک الدنیا تو بنو، متروک الدنیا مت بنو، یعنی دنیا کی محبت ہمارے دل میں نہ ہو، اور ہم دنیا کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں، چاہے کتنی آجائے، لیکن ایسے بھی مت بنو کہ دنیا تمہیں چھوڑ دے، یہ تو کمال کی بات اور اچھی صفت ہے کہ ہم دنیا کے تارک ہوں؛ لیکن دنیا والے ہمیں چھوڑ دیں؛ اور ناقابلِ التفات سمجھیں یہ کوئی کمال کی بات نہیں، ہونا یہ چاہیئے کہ دنیا والے ہماری ضرورت کو اور ہمارے مقام کو سمجھیں، ہم سے فائدہ اٹھائیں، واجعل علانیتی صالحۃ خود سے اپنے کو ذلیل بھی مت کرو، اور خود سے اپنا مقام خلافِ واقعہ بھی لوگوں کو مت دکھاؤ کہ اندر سے تو کچھ نہیں مگر بڑے بن کے پھر رہے ہیں، اندر الگ، باہر الگ، بس سیدھا سادا معاملہ ہو، یہ بڑی بات ہے، کہنے کو تو حضرت اُسے ایک مزاج کا ذکر فرما رہے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ بڑی شان ہے جو ''اہلِ اخلاص'' کو نصیب ہوتی ہے۔

افاداتِ اکابر

ارشاد السالکین

"خانقاہِ سعیدیہ" میں ہر شمسی مہینے کے دوسرے اتوار کو صبح ۹ر بجے تا شب ۹ر بجے اصلاحی مجلس منعقد ہوتی ہے، اس میں جنوبی ہند کی تمام ہی ریاستوں سے تقریباً تین سو سالکین شرکت کرتے ہیں، صبح ۱۰ تا ۱۲ر بجے کی نشست میں شرکاء کے پوچھے گئے سوالات کے جواب مرشدی حضرت اقدس مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہٗ العالی خود دیتے ہیں، جو بہت ہی نافع ہوتے ہیں، علماء وعوام سب ہی اس کے قائل ہیں، اس لئے مولانا مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی زید فضلہٗ استاذ ادارۂ ہذا و مجازِ حضرت والا نے اِن کو جمع کر کے قارئین کے فائدے کے لئے شائع کیا ہے۔ از مرتب

مراقبہ اور محاسبہ کا مطلب اور اس کا طریقہ

سوال (۹۶): ۔محاسبہ اور مراقبہ کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔

جواب: ۔محاسبہ و مراقبہ کا جو مطلب ہم جانتے ہیں وہ بہت ہلکا پھلکا ہے، اور یہ ہلکا پھلکا مراقبہ ہی ہم بتاتے ہیں، محاسبہ الگ ہے اور مراقبہ الگ، محاسبہ یہ ہے کہ آدمی گزرے ہوئے 24 گھنٹوں کا کسی ایک وقت میں جائزہ لے لیا کرے، بہتر ہے کہ یہ عمل روز کریں، مراقبہ یہ ہے کہ آدمی اپنی موت کے بارے میں سوچے کہ موت کیسے آتی ہے، آئے گی تو کیا ہوگا؟ پھر کیا ہوگا؟ پھر کیا ہوگا؟ اس کا تھوڑا سا تصور کریں، اس سے خشیت پیدا ہوتی ہے، پھر اس خشیت کا فائدہ اٹھا کر اگلے دن کو اچھا گزارنے کا اللہ سے عہد کرے گا، یہی استحضار اور اہتمام محاسبے اور مراقبے سے مقصود ہے۔

شیخ کے علم میں سارے گناہوں کو لانا ضروری نہیں ہے

سوال (۹۷): ۔کیا شیخ کو ماضی کے سارے گناہوں کی خبر دینا ضروری ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔

جواب: ۔کوئی ضروری نہیں ہے، جب آپ نے سچی توبہ کر لی اور گناہ چھوٹ چکا تو اللہ کے حوالے کر دو، اب آگے دیگر امور کی اصلاح کی فکر میں لگ جاؤ، آپ نے جب پختہ ارادہ کر کے جو گناہ چھوڑ دیا ہے، اب اس کی طرف توجہ بھی نہیں دے رہے ہیں تب اس کا ذکر مذاکرہ ہی کیا ہے؟ وہ قصہ ختم ہو گیا، بالخصوص جب اُن

گناہوں سے بچ بھی رہے ہیں، یہ تو بہت اچھی بات ہے، یہی تو مقصود ہے، ہاں! اگر نہیں بچ پا رہے ہیں تو مشورہ کرتے رہیں کہ اس سے کیسے بچوں؟ خلاصہ یہ کہ آئندہ کے خطرات اور گذشتہ کے لغزشات کی فکر چھوڑیں، سالک کو صرف موجودہ حالت پر نظر رکھ کر اس کو بہتر بنانے میں لگے رہنا چاہیے۔

اصلاحی مجالس میں شرکت کے اہتمام کا فائدہ اور غیر حاضری کا نقصان

سوال (۹۸): ۔ہمارے شہر سے نارائن کھیڑ کا سفر مشکل ہونے کی وجہ سے پچھلے مہینہ مجلس میں شرکت سے غیر حاضری ہوئی، اس غیر حاضری کی وجہ سے بہت زیادہ نقصان ہوا، بدنظری سے بچنے کی پہلے عادت ہوگئی تھی؛ اب پھر بدنظری کر رہا ہوں، بدنظری کے فوراً بعد استغفار کرنے لگتا ہوں، اندرونی طور پر بہت اندھیرا محسوس ہو رہا ہے، راہنمائی فرمائیں۔

جواب: ۔ماہانہ ڈوز لے نا مشکل تھا، وہاں پہنچنا مشکل تھا تو وہاں نہ پہنچتے اس کے بعد کسی دن یہاں آجاتے، یہاں پہنچنا تو آسان تھا، جہاں پہونچنا آسان تھا وہیں پر آجاتے، جب آپ کا اپنا حال یہ ہے کہ ایک ڈوز ایک مہینہ ہی چلتا ہے تو اگلا ڈوز لینے کے لیے ہاسپٹل پہنچ جانا چاہیے، اگر پہونچتے تو اس کی تلافی ہوجاتی، بعض دوائیں ایسی ہیں کہ ٹائم پر لو تو ہی فائدہ ہوتا ہے، ایک مرتبہ بھی چھوڑ دو تو نقصان ہوتا ہے، تو ماہانہ ڈوز پابندی سے لے لیا کرو، اگر کسی وقت مجلس ناغہ ہوجائے تو کوئی ایک دن نکال کے آؤ۔ استغفار کا اہتمام تو خیر کرو، اسی استغفار سے وہ اندھیرا ابھی ختم ہوگا، مگر اپنا نقصان مت کرو، اس لئے کہ جسمانی علاج سے بھی زیادہ روحانی علاج کی اہمیت ہے، جسم کا نقصان زیادہ سے زیادہ موت تک پہنچاتا ہے، اور روح کا نقصان آدمی کو کفر تک بھی پہنچا سکتا ہے؛ اس لیے روح کا نقصان مت کرو۔

قرض لینے کے سلسلے میں واپسی کے اسباب بھی ملحوظ رہنا چاہیے

سوال (۹۹): ۔کاروبار کے لیے کچھ زیادہ قرض لیا ہوا ہوں، دعاؤں کی گزارش ہے کہ وقت پر قرض ادا کرسکوں۔

جواب: ۔کاروبار وغیرہ کی ضرورتوں کے لیے، اور بھی کوئی حاجت پیش آجائے تو اس کے لئے قرض لینا جائز تو ہے لیکن واپسی کے سورسز اور ذرائع پر اچھی طرح اطمینان کر کے لینا چاہیے واپسی کے اسباب ہیں یا نہیں؟ مثلاً کوئی آدمی کاروبار یا کسی اور ضرورت کے لیے قرض حسنہ لینا چاہتا ہے تو یہ پہلے پلان کر لے کہ اس سے آمدنی اتنی ہوگی کہ دھیرے دھیرے اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہوئے دوسرے کا قرض ادا ہوتا رہے گا۔۔

(بقیہ صفحہ ۴۳ پر)

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

قربانی کے گوشت کی تقسیم

سوال: قربانی کے گوشت کی تقسیم کیسے کریں؟ کیا سارا گوشت خود کھالینا جائز ہے؟

جواب: قربانی کے گوشت کے سلسلہ میں مستحب یہ ہے کہ اس کے تین حصے کئے جائیں، ایک حصہ اپنا، ایک حصہ رشتہ داروں کا، اور ایک حصہ غریبوں کا، لیکن سارا گوشت خود ہی رکھ لینا یا رشتہ داروں کو کھلا دینا جائز ہے۔ (فتاویٰ عثمانی، ۴/۱۳۱)

قربانی کس پر واجب ہے؟ کیا قیمت کا صدقہ کرنا کافی ہے؟

سوال: قربانی کس پر واجب ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ قربانی کے جانور کی قیمت کسی غریب کو دیدی جائے، یا قربانی ہی کرنی ضروری ہے؟

جواب: جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی قیمت کی کوئی اور چیز حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو تو اس پر قربانی واجب ہے، قربانی کے ایام میں قربانی ہی واجب ہے، قیمت دینا کافی نہیں، اگر کسی عارض کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکا اور قربانی کے ایام گذر گئے تو پھر قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، ۲۶/۲۲۶)

ایک بکرے کی قربانی سب گھر والوں کی طرف سے

سوال: ایک بکرے کی قربانی سب گھر والوں کی طرف سے کافی ہے؟

جواب: ایک بکرے کی قربانی سب گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہے۔ (فتاوی محمودیہ، ۲۶/۲۳۸)

نر اور مادہ میں سے کس کی قربانی افضل ہے؟

سوال: نر کی قربانی افضل ہے یا مادہ کی؟

جواب: اگر دونوں قیمت اور گوشت میں برابر ہوں تو مادہ کی قربانی افضل ہے۔ (فتاوی محمودیہ، ۲۶/۲۵۷)

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

بے سینگ جانور کی قربانی

سوال: جس جانور کے سینگ نہ ہوں، اس کی قربانی درست ہے؟

جواب؛ جس جانور کے سینگ نکلے ہی نہیں (پیدائشی طور پر سینگ نہ ہوں) اس کی قربانی درست ہے۔ ہاں اگر پیدائشی طور پر سینگ تھے پھر کسی وجہ سے ٹوٹ گئے اگر جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو اس جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، ۲۶/ ۲۸۸)

کان چرے ہوئے جانور کی قربانی

سوال: اگر جانور کے کان تو ہوں؛ لیکن چیرے ہوئے ہوں تو کیا ایسے جانور کی قربانی درست ہے؟

جواب: ایسے جانور کی قربانی درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۶/ ۲۹۲)

قربانی کا گوشت ہندو کو دینا

سوال: قربانی کا گوشت ہندو کو دینا جائز ہے؟

جواب: جس قربانی کا گوشت صدقہ کرنا واجب نہیں، وہ گوشت ہندو کو دینا جائز ہے، بشرطیکہ کسی معاوضہ میں نہ ہو؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ دین دار آدمی کو دیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۶/ ۳۸۹)

قربانی کے ساتھ عقیقہ

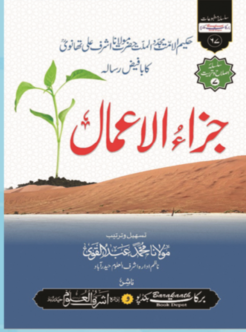
سوال: قربانی کے جانور میں عقیقہ کرنا کیسا ہے؟ یعنی قربانی کی جانور مثلاً بیل ہو اس میں پانچ حصے قربانی کے ہوں اور دو حصے عقیقہ میں شمار کر لئے جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو عقیقہ کی دعا کب پڑھی جائے؟ اور عقیقہ کے حصہ کا گوشت کس طرح تقسیم کیا جائے؟ مفصل بتائیں۔

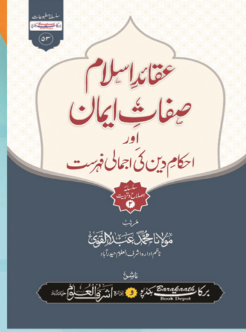
جواب: جائز ہے، جو دعا بہ وقتِ عقیقہ پڑھی جاتی ہے وہ دعا بہ وقتِ ذبح جب کہ قربانی کی دعا پڑھی جائے، عقیقہ کی دعا بھی پڑھو، اور گوشت کے تین حصے کر کے قربانی کے گوشت کی طرح عمل کریں؛ خواہ کچا گوشت تقسیم کر دے، خواہ پکا کر کھائے۔ (فتاویٰ محمودیہ، ۲۶/ ۴۱۲)

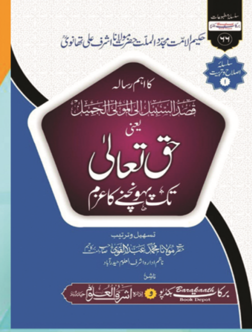
عقیقہ کیا لازم ہے؟

سوال: کیا عقیقہ کرنا لازم و ضروری ہے؟

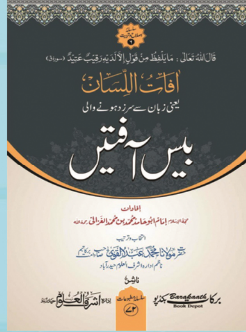
جواب: ایسا لازم نہیں ہے کہ جس کی قضا لازم ہو، اگر دل چاہتا ہے تو ایک بکری ذبح کر کے کچا گوشت یا پکا کر تقسیم کر دیں یا کھلا دیں، عقیقہ ہو جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ، ۲۶/ ۴۱۵)۔ (نخبۃ المسائل، ۲/ ۵۲)

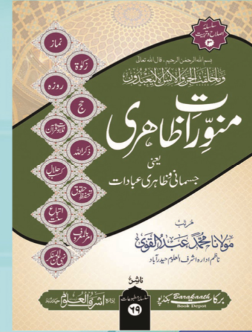


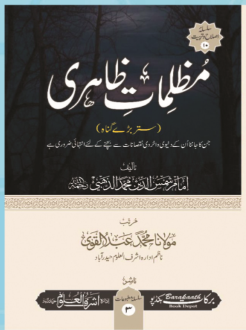


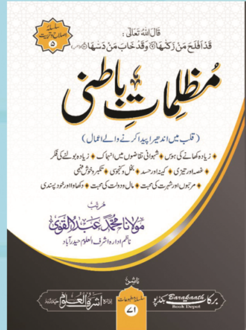


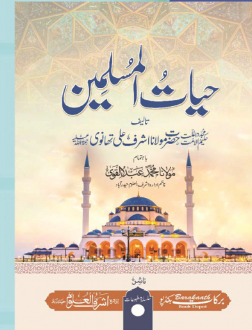












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi